ماہنامہ
مجلہ

# حیاتِ نو

بلریاگنج

پوری طرح یقین کر لینا چاہیے کہ دنیا
میں کسی پیغام یا کسی تحریک و دعوت
کی کامیابی اس پیغام اور دعوت کی
صرف عمدگی سے نہیں ہوتی بلکہ اس
کے علمبرداروں کی جد و جہد، سعی و محنت،
سرگرمی عمل اور ایثار و قربانی سے ہوتی ہے دنیا
ایک بحرِ رواں ہے اس بحرِ رواں میں وہی زندہ
رہے گا جو خود بھی رواں ہے"

(مولانا سید سلیمان ندویؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

# حیات نو بلریاگنج

جلد:- ۱۰ ذی الحجہ، محرم ۱۴۱۳-۱۴ھ شمارہ:- ۵-۶

مئی جون ۱۹۹۳ء


| مدیر مسئول | بدل اشتراک | |
|---|---|---|
| **نور محمد فلاحی** | سالانہ زر تعاون | ۵۰ روپے |
| مدیر | طلبہ کیلئے | ۴۰ " |
| محمد اسمٰعیل فلاحی | خصوصی " | ۱۰۰ " |
| معاون مدیر | اعزازی " | ۱۰۰۰ " |
| عبدالبر اثری فلاحی | غیر ممالک سے زر تعاون | ۲۵ امریکی ڈالر |
| | قیمت فی شمارہ | ۵ روپے |

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے


ترسیل زر کا پتہ

فون: ۶۱۹۱۰ ۲۷۶۱۴۱

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ (یوپی)

نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ ـــــ کتابت: محمد اشفاق عالم مفتاحی (دفتر حیات نو)


# یک ماہی ٹیچرس ٹریننگ کیمپ

لکھنؤ ۴ مئی۔ اتر پردیش فلاح عام سوسائٹی لکھنؤ کے سکریٹری حافظ منصور عالم نے ایک اخباری بیان میں بتایا ہے کہ گذشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی مکاتب و مدارس کے اساتذہ کے لئے تدریسی تربیت کے کیمپ سوسائٹی کی طرف سے منعقد ہو رہے ہیں۔

پہلا کیمپ ۲۲ جون سے ۲۱ جولائی ۱۹۹۳ء تک الجامعۃ الاسلامیہ تلکنیا ضلع سدھارتھ نگر میں اور دوسرا کیمپ ۱۶ ستمبر سے ۱۵ اکتوبر تک درسگاہ اسلامی حمید راوھنہ ضلع میرٹھ میں منعقد ہوگا۔

سکریٹری سوسائٹی نے بتایا ہے کہ جو حضرات بھی کسی دینی مدرسہ یا اسکول میں تعلیم و تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہوں یا مستقبل قریب میں اس کا ارادہ رکھتے ہوں، بشرطیکہ کسی دینی درسگاہ سے عالمیت یا فضیلت کی سند حاصل کی ہو، ورنہ کم از کم ہائی اسکول یا اسکے مساوی کوئی امتحان پاس ہوں۔ یا حافظ و قاری ہوتے کے ساتھ اردو لکھنے پڑھنے کی اچھی صلاحیت رکھتے ہوں شرکت کی درخواست دے سکتے ہیں۔

شرکت کے خواہشمند حضرات دفتر سوسائٹی دارالاسلام مولوی گنج لکھنؤ سے پرفارم داخلہ حاصل کریں اور اسے پر کر کے اپنے سرٹیفکٹس کی نقلیں منسلک کریں نیز درخواست پر اپنے علاقہ کے کسی معروف دینی یا سماجی ذمہ دار سے اپنے بہتر اخلاق و کردار کی تصدیق کرانے کے بعد فارم دفتر سوسائٹی ارسال فرمائیں۔

سکریٹری سوسائٹی نے یہ بھی بتایا ہے کہ جن امیدواروں کو کیمپ میں شرکت کی اجازت دیجائیگی انہیں سوسائٹی کیجانب سے قیام و طعام اور مصارف سفر کی سہولت فراہم کیجائیگی۔ حافظ منصور عالم نے یہ بھی بتایا کہ تربیت میں کامیاب اساتذہ کو سوسائٹی کیجانب سے سند بھی دی جائیگی اور سوسائٹی کے زیر اثر چلنے والے مدارس میں مناسب منشا ہونے پر خدمت کا موقع بھی فراہم کیا جائیگا۔

# نقوش حیات نو

صفحہ

• اداریہ

سال نو کا پیغام — محمد اسمٰعیل فلاحی — ٢

• بحث ونظر

سیرۃ نبویہ کے چند امتیازی پہلو — مولانا اقبال احمد قاسمی — ٦

عربی زبان کی تدریس — ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری — ١٦

امت مسلمہ نیپال کے مسائل ۔ اسباب اور حل — محمد حسن حبیب فلاحی — ٢٦

• لکھ رہا ہوں جنوں میں.....

یہ بھی اچھا ہوا برا نہ ہوا — ابو اللسان لغوی — ٤٤

• تعارف وتبصرہ

مجلہ — عبد البر اثری فلاحی — ٥١

• شعر ونغمہ

پابندی، غزل — ابو جاوید برکتی ایم اے شمسی — ٥٢، ٥٣

نظم، غزل — جاوید احسن فلاحی، ام رفعت فلاحی — ٥٤، ٥٥

• جامعہ کے لیل ونہار

نظامیہ کا اجلاس، جمعیۃ الطلبہ کا انتخاب، توسیعی خطبات — محمد اسمٰعیل فلاحی — ٥٨

• روداد

ورکشاپ بعنوان "عربی زبان کی تدریس میں جدید تجربات سے استفادہ" — عبد البر اثری فلاحی — ٦٢

پروگرام "سلسلۂ تیاری معائنہ کنندگان" — عبد البر اثری فلاحی — ٦٦

• حلقہ یاراں — رضوان احمد فلاحی، فاطمہ جلیل فلاحی — ٧٠



اداریہ

محمد اسمٰعیل فلاحی

# سال نو کا پیغام

۲۳؍ رجب ۱۳۹۶ھ جمعرات کا وہ دن تھا۔ عربی انشاء کے گھنٹہ میں حضرت مولانا جلیل احسن ندوی قدس اللہ سرہ کے سامنے میری انشاء کی کاپی تھی۔ جس پر نہ دستخط تھا اور نہ تاریخ۔ حضرت مولاناؒ نے اس پر یہ تحریر لکھی۔

"وَقِّعْ دَائِمًا وَأَرِّخْ دَائِمًا وَأَرِّخْ حَسَبَ التَّقْوِيمِ الْهِجْرِيِّ، فَإِنَّهُ هُوَ وَحْدَهُ تَارِيخُكَ وَتَقْوِيمُكَ" (ہمیشہ دستخط کیا کرو اور تاریخ لکھا کرو اور تاریخ ہجری کلنڈر کے مطابق ہو۔ کیونکہ صرف یہی تمہاری اپنی تاریخ اور تمہاری اپنی تقویم ہے)

مولاناؒ کی یہ تحریر اپنی تاریخ اور اپنی ثقافت سے مولانا کے گہرے لگاؤ کی دلیل ہے، جو قوم اپنی تاریخ، اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت کو بھول جاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ وہ بحیثیت قوم مرجاتی اور اپنے جینے کا استحقاق کھو بیٹھتی ہے، ہجرت کا واقعہ اسلامی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے جس پر مسلمانوں نے اپنے سن کی بنیاد رکھی ہے۔ سن ہجری مسلمانوں کو ہمیشہ اس معرکۂ خیر وشر میں، دعوت، ہجرت، جہاد اور نصرت خداوندی کو یاد دلاتا ہے۔ اس سے ایک پوری تاریخ ہمارے سامنے آتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتح ونصرت کے قافلے صرف دعاؤں کے بل پر نہیں چلا کرتے بلکہ حرا کی خلوت نشینی، صفا کا انذار عام، گھروں کی دعوتیں، دار ارقم کا مدرسہ، شعب ابی طالب کی محصوری، طائف کی گلیاں، رات کے اندھیروں میں گھر سے نکل کر غار ثور میں پناہ گزینی، بدر وحنین کے معرکے، حدیبیہ کی صلح اور ابو جندل اور ان کے ساتھیوں کا مومنانہ کردار سب اس راہ کے روشن نشانات ہیں اور کسی سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ہجرت سکون وجمود اور گھروں میں آرام سے بیٹھنے کا نام نہیں، ہجرت تقدیر کا بہانہ بنانے کو بھی نہیں کہتے بلکہ ایک مقصد

کیلئے پارے کی سی حرکت، سعی پیہم اور جہد مسلسل، اپنی راہ خود نکالنا اور آگے ہی آگے بڑھتے چلے جانا ہجرت ہے۔

سن ہجری کی ابتدا محرم سے ہوتی ہے۔ محرم شروع سے ایک محترم مہینہ رہا ہے۔ اس کی دسویں تاریخ عاشورا بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اسی دن حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات ملی۔ یہود شکرانہ اور خوشی کے طور پر اس دن روزہ رکھا کرتے تھے، نبیؐ نے فرمایا ہم اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ اس دن روزہ رکھیں، ایک دوسرے موقع پر آپؐ نے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| صُومُوا يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَخَالِفُوا الْيَهُودَ وَصُومُوا قَبْلَهُ يَوْمًا أَوْ بَعْدَهُ يَوْمًا۔ (مسند احمد) | عاشورا کے دن روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو، اسکے پہلے یا اسکے بعد بھی ایک دن روزہ رکھا کرو۔ |

اس دن کے روزہ کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے

| | |
|---|---|
| أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمِ۔ (ابوداؤد) | رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ محرم (عاشورا) کا ہے۔ |

یہ عجیب سوء اتفاق ہے کہ ۶۱ھ کو اسی دن حضرت حسینؓ کی شہادت کا دردناک سانحہ پیش آیا جو ہماری تاریخ کا انتہائی دردناک اور المناک باب ہے، حضرت حسینؓ نے خلافت کو بادشاہت کی پٹری پر جانے سے روکنے کیلئے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ آج حسینؓ کے نام پر ان سے عقیدت و محبت رکھنے والے حسینؓ کی جوانمردی اور بہادری کے برخلاف ایسا عمل کرتے ہیں جس سے مسلسل اس مشن کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ جس کے لئے حضرت حسینؓ نے موت کو گلے سے لگایا۔ محرم کا چاند نکلنے والا ہے۔ چاند نکلتے ہی آپ ہر طرف ڈھول باجا سنیں گے۔ تعزیے اور جھنڈے نظر آئیں گے، بچے پیک بنیں گے اور پتہ نہیں کیا کیا ہوگا۔ دوسری جانب ماتمی مجلسیں ہوں گی، سر اور سینے پیٹے جائیں گے، لوگ انگاروں پر چلیں گے، مرثیے پڑھے جائیں گے۔ سال گزشتہ ماتمی جلوس کے چند اشعار کانوں میں پڑے تھے جو



بھارت میں اگر آجاتا ہردے میں اتارا جاتا — یوں چاند بنی ہاشم کا دھوکے سے نہ مارا جاتا
چوکھٹ سے نہ اٹھتے ماتھے سر اور سے پوجا ہوتی — اس دیش کی بھاشاؤں میں بھگوان پکارا جاتا
پانی کیلئے آنے پر ہوتا نہ لہو یوں پانی — پیاسے کا سواگت کرتے جمنا کا کنارا جاتا

بھارت کے موجودہ حالات پر نظر ڈالئے اور ان اشعار پر "داد" دیجئے

واقعہ یہ ہے کہ ڈھول اور تاشہ بجانے والے ہمیشہ چوتھی صف میں جگہ پاتے ہیں، قوموں کی قیادت میں انکا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ اسی طرح نوحہ و ماتم کرنے والے روکر اور سینہ کوبی کرکے اپنے کو ہلکان کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کے لئے ناممکن ہے کہ وہ کوئی کارنامہ انجام دے سکیں۔ مرد کبھی رویا نہیں کرتے۔ اگر آج نواسہ رسولؐ شہید کربلا زندہ ہوتے تو کیا وہ ان باتوں کو برداشت کرتے، حضرت حسینؓ سے محبت کا یہ تقاضا ہے اور ان کی شہادت کا یہ سبق بھی کہ دین کے معاملے میں ہم کسی قسم کی مداہنت گوارا نہ کریں، دین میں کسی گزبونت کو برداشت نہ کریں۔ اس پر خود بھی سختی سے عامل ہوں اور اسے قائم کرنے کی بھی ہر ممکن کوشش کریں۔

قمری اور شمسی سالوں پر اس وقت کوئی مقالہ لکھنا نہیں ہے، بس اتنی بات مقصود ہے کہ دین کی سربلندی کے لئے کام کرنے والے سبھی اداروں کو چاہیے کہ وہ سن ہجری کو فروغ دیں اور ہجرت کی روح کو زندہ کرنے کی کوشش کریں کہ سال نو کے آغاز کا یہی پیغام ہمارے نام ہے۔ یہ کیسا المیہ اور کتنی حیرت کی بات ہے کہ احیائے ملت کی بات کرنے والے خود اپنی تاریخ اور اپنی ثقافت سے اس درجہ غافل ہیں۔

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ

ترجمانی: مولانا اقبال احمد قاسمی

# سیرۃ نبویہ کے چند امتیازی پہلو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کچھ ایسے امتیازات کی حامل ہے جس کا مطالعہ روح کی بالیدگی اور عقل کی تابندگی کا باعث اور تاریخ کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔ سیرت کے ان نمایاں پہلوؤں کا مطالعہ علماء شریعت، داعیان حق اور اصلاح معاشرہ کا فرض انجام دینے والوں کے لئے انتہائی ناگزیر ہے۔ تاکہ ان کے سامنے دین کی تبلیغ واشاعت کے وہ اسلوب وانداز واضح ہو سکیں جو نظریات کے ہجوم وتصادم اور مخالفتوں کی شدت میں ان کے لئے پناہ گاہ کا کام دیں، ان کی دعوت کو قبول کرنے کے لئے لوگوں کے قلوب واذہان کے بند دریچے کھل سکیں اور اصلاح ودعوت کا کام بہتر طریقے سے انجام پانے کے ساتھ ساتھ اس کی کامیابی کے امکانات روشن تر ہو جائیں۔ سطور ذیل میں ان میں سے چند نمایاں خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ یہ انبیاء ومرسلین اور عظیم مصلحین کی تاریخ کی صحیح ترین سیرت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہم تک ایسے مستند اور باوثوق ذرائع سے پہونچی ہے جو اس کے نمایاں اور اہم واقعات کی صداقت سے متعلق کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتے۔ اس سے ہمارے لئے ان واقعات وحادثات کو پہچان لینا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ جن کو بعد کے ادوار میں عجوبہ پسند اور مقام رسالت سے ناآشنا جاہلوں نے ـــــ جو آپؐ کی طرف حیرت انگیز اور محیر العقول واقعات کے انتساب سے دلچسپی رکھتے تھے ـــــ اپنی طرف سے گڑھ کر منسوب کر دیئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ہر طرح کے شکوک وشبہات کی گنجائش سے پاک ہونا اس کی ایسی خصوصیت ہے جو انبیاء سابقین میں سے کسی کی سیرت میں نہیں پائی جاتی۔ مثال کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو لے لیجئے۔ ان کی زندگی کے



جو حالات اور واقعات ہمارے سامنے ہیں وہ صحیح اور غلط کا مجموعہ ہیں۔ یہودیوں کی تحریف وترمیم کی وجہ سے ہمارے لئے قطعی ممکن نہیں ہے کہ ہم موجودہ تورات پر اعتماد کر کے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحیح سیرت کو اخذ کر سکیں۔ اب تو بہت سے مغربی نقاد تورات کے بعض اجزاء کے متعلق اپنے شک کا اظہار کرنے لگے ہیں اور ان میں سے کچھ تو پوری قوت سے اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ تورات کے کچھ اجزاء ایسے ہیں جو نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں لکھے گئے نہ ان کے بعد کے کسی قریبی زمانے میں ضبط تحریر میں لائے گئے بلکہ ان کے بہت بعد لکھے گئے۔ اس کے علاوہ یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ لکھنے والے کون تھے! تنہا یہی بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان حالات زندگی کو مشکوک بنا دینے کے لئے کافی ہے جو تورات میں بیان ہوئے ہیں۔ اس لئے کسی مسلمان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی سیرت کے صرف ان ہی حصوں کو تسلیم کرے جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں بیان ہوئے ہیں۔

بالکل یہی بلکہ اس سے بدتر صورت حال سیدنا عیسیٰؑ کی سیرت کی ہے۔ یہ اناجیل جو اہل کلیسا کے یہاں سرکاری طور پر معروف ومتداول ہیں انہیں حضرت عیسیٰؑ کے سینکڑوں سال بعد کسی علمی جانچ پڑتال کے بغیر ان سینکڑوں انجیلوں سے چھانٹ کر مرتب کیا گیا ہے جو اس وقت عیسائیوں کے یہاں پھیلی ہوئی تھیں اس پر طرہ یہ کہ ان انجیلوں کی نسبت ان کے مرتبین کی طرف کسی ایسے علمی طریقے سے ثابت نہیں ہے جس پر دل مطمئن ہو سکے نہ یہ کسی ایسی سند کے ساتھ مروی ہیں جو ان کے مرتبین تک پہنچتی ہو۔ مزید ان مغربی ناقدین کے درمیان اس بات پر بھی شدید اختلافات واقع ہوئے ہیں کہ یہ مرتبین کون تھے، ان کے نام کیا تھے اور یہ کس زمانے میں تھے؟

جب پوری دنیا میں پھیلے ہوئے مشہور مذاہب کے بانیوں اور رسولوں کی سیرت کا یہ حال ہے تو گوتم بدھ اور کنفیوشس جیسے دوسرے بانیان مذاہب

کی سیرتیں تو اور زیادہ مشکوک ہو جاتی ہیں۔ جن کے متبعین کروڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں کیونکہ ان کے متبعین انکی زندگی کے جو حالات بیان کرتے ہیں علمی بحث و نظر کے لحاظ سے انکی کوئی قابلِ اعتماد بنیاد نہیں ہے بلکہ یہاں تو صورت حال یہ ہے کہ بھکشو اور مذہبی پیشوا طبع زاد باتیں انکی طرف منسوب کرتے رہتے ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ ان کے اوپر اسی طرح خرافات اور اساطیر کے ردے لگاتے رہتے چلے جاتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کے لئے جو عقلِ سلیم رکھتا ہو اور ان مذاہب کے تعصب میں گرفتار نہ ہو ان کی تصدیق کرنا ممکن نہیں رہتا۔ یوں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ متواتر دلائل کی بنا پر قوی اور صحیح ترین سیرت صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان کے والدین عبداللہ اور آمنہ کی شادی سے لیکر آپؐ کی وفات تک پوری طرح واضح ہے۔ ہم آپؐ کی ولادت، بچپن، جوانی، نبوت سے پہلے آپؐ کے ذریعۂ معاش اور مکے سے باہر کیے گئے آپؐ کے سفروں سے لیکر آپؐ کی بعثت تک کے بہت سے حالات کو جانتے ہیں۔ اور نبوت کے بعد کے حالات زندگی تو ہم کو اتنی تفصیل کے ساتھ معلوم ہیں کہ آپؐ کی سیرت کے تمام گوشے سورج کی طرح روشن ہیں۔ جیسا کہ بعض مستشرقین نے کہا ہے۔ "ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم ھو الوحید الذی وُلد فی ضوء الشمس۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وہ خصوصیت ہے جو انبیاء سابقین میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ ہمیں موسیٰؑ کے بچپن، جوانی اور نبوت سے پہلے انکے ذریعۂ معاش کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں۔ ہاں انکی نبوت کے بعد کے کچھ حالات ہمیں معلوم ہیں مگر وہ بھی اتنے کم ہیں کہ ان کی شخصیت کی کوئی واضح تصویر ہمارے سامنے نہیں آتی۔ ٹھیک یہی بات حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ ہم ان کے بچپن سے متعلق صرف وہی باتیں جانتے ہیں جن کا ذکر موجودہ انجیلوں میں ملتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ یہود کے ہیکل میں گئے۔ وہ وہاں انہوں نے یہودی



علماء کے ساتھ مناظرہ کیا۔ ان کے بچپن سے متعلق صرف یہی ایک واقعہ ہے جس کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں تک انکی نبوت کے بعد کے حالات کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں ہم صرف وہی باتیں جانتے ہیں جو انکی دعوت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور بہت ہی مختصر معلومات ان کے طرز زندگی کے بارے میں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کا سیرت رسولؐ کے ان معاملات سے کیا مقابلہ ہے۔ جو آپؐ کے کھانے پینے، آپؐ کے اٹھنے بیٹھنے، آپؐ کے لباس، آپؐ کی عبادت، آپؐ کی شکل و صورت، آپؐ کے اندازِ گفتگو، اپنے اہل و عیال کے ساتھ آپؐ کے برتاؤ، آپ کی عبادت، آپؐ کی نماز اور اپنے صحابہ کے ساتھ آپؐ کے سلوک وغیرہ کی پوری تفصیل بیان کرکے آپؐ کی شخصیت کی مکمل تصویر ہمارے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ راویانِ سیرت کی باریک بینی کا تو یہ حال ہے کہ انہوں نے یہ تک بیان کر دیا ہے کہ آپؐ کی داڑھی اور سرِ مبارک میں سفید بالوں کی تعداد کیا تھی۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک ایسے انسان کی سیرت بیان کرتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصبِ رسالت پر فائز کیا تھا۔ نہ ان کو انسانیت کے مقام سے اونچا اٹھاتی، نہ انکی طرف فرضی اور من گھڑت باتیں منسوب کرتی نہ انکی طرف خدائی صفات کی نسبت کرتی ہے۔ جب ہم اس کا مقابلہ ان روایتوں سے کرتے ہیں جو عیسائیوں نے عیسیٰؑ، بدھسٹوں نے گوتم بدھ اور بت پرستوں نے اپنے دیوی دیوتاؤں کے متعلق بیان کی ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان لوگوں کی سیرتوں کے درمیان پایا جانے والا فرق پوری وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے متبعین کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر انکی سیرتوں کے گہرے اور دور رس اثرات مترتب ہوئے ہیں۔ چنانچہ عیسیٰؑ اور گوتم بدھ کے لئے دعویٰ الوہیت نے انسان کے لئے یہ ناممکن بنا دیا ہے کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ان کو نمونہ بنا کر انکی پیروی کر سکے۔ جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہر اس شخص کے لئے ایک مکمل

اور مثالی نمونہ ہے جو اپنی شخصی اور معاشرتی زندگی سعادت مندی اور شرافت کے ساتھ گزارنا چاہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوة حسنة لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا (الاحزاب: ۲۱)

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔ یہ جس طرح منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد آپؐ کی سیرت کو ایسے داعی کی سیرت کے طور پر پیش کرتی ہے جو اپنی دعوت کو مقبولِ عام بنانے کے لئے مناسب ترین وسائل کو ڈھونڈتا اور انہیں استعمال کرتا ہے اسی طرح یہ آپؐ کی بعثت سے پہلے کی سیرت پر بھی روشنی ڈالتی ہے جو ایک دیانتدار، پاکردار اور راست رو نوجوان کی سیرت ہے۔ جس طرح یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو ایک ایسے سربراہ حکومت کی سیرت کی حیثیت سے پیش کرتی ہے جو اپنی حکومت کی بنیاد مستحکم اور پائیدار نظم وضبط پر استوار کرتا ہے اسی طرح یہ آپؐ کی سیرت کو ایک ایسے شوہر اور باپ کی سیرت کی شکل میں پیش کرتی ہے جو مجسم رحمت وشفقت، معاملے کا سچا اور شوہر، بیوی اور اولاد کے حقوق وفرائض میں واضح تمیز رکھتا ہے، اور جس طرح یہ ہمیں آپؐ کی سیرت سے ایک ایسے مربی اور مرشد کی سیرت کے طور پر آگاہ کرتی ہے جو اپنے ساتھیوں کی مثالی تربیت پر بھرپور توجہ دیتا اور انہیں اس طرح روحانی فیض پہنچاتا ہے کہ وہ چھوٹے بڑے تمام امور میں اس کی پوری پوری اقتداء کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے اسی طرح یہ آپؐ کی سیرت کو ایک ایسے دوست کی سیرت کی شکل میں پیش کرتی ہے جو دوستی کے تمام آداب کا پاس ولحاظ کرتا اور اس کے سارے حقوق ادا کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے احباب اپنی جانوں اور اپنے اہل وعیال سے بڑھ کر اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ نیز یہ آپؐ کی سیرت کو ایک بہادر سپاہی، ایک ظفر مند سپہ سالار، ایک کامیاب سیاست دان، ایک قابل اعتماد پڑوسی اور ایک ایسے



معاہد کی سیرت کے روپ میں پیش کرتی ہے جو اپنے عہد وپیمان کا پورا پورا پاس ولحاظ کرتا ہے۔ غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت انسان کی معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں کو حاوی ہے جس کی وجہ سے آپؐ کی شخصیت ہر داعی، ہر قائد، ہر باپ، ہر شوہر، ہر دوست، ہر مربی، ہر سیاست دان اور ہر سربراہ حکومت کے لئے ایک مثالی نمونہ بن جاتی ہے۔

حضورؐ کی سیرت کے علاوہ یہ وسعت وعمومیت ہم کو انبیاء سابقین، بانیانِ مذاہب اور فلاسفۂ متقدمین ومتاخرین میں سے کسی کی سیرت میں نظر نہیں آتی مثلاً موسیٰ علیہ السلام ایک ایسے سردار کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں جس نے اپنی قوم کو غلامی سے چھڑایا اور اس کے لئے ایسے اصول وقوانین وضع کئے جو صرف اسی کے لئے مفید اور قابل عمل تھے۔ ہم کو ان کی سیرت میں ایسی کوئی چیز نہیں ملتی جو فوجیوں، مربیوں، سیاست دانوں، سربراہان حکومت، باپوں اور شوہروں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہو۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی حیثیت ایک ایسے داعی زاہد کی ہے جس نے دنیا کو ترک کر دیا تھا۔ نہ ان کے پاس مال تھا نہ مکان نہ کوئی سامان۔ وہ اپنی اس سیرت کے لحاظ سے جو عیسائیوں کے پاس ہے نہ کسی فوجی قائد کے لئے مثالی نمونہ ہو سکتے نہ کسی سربراہ مملکت کے لئے۔ نہ کسی شوہر کے لئے کیونکہ انہوں نے شادی نہیں کی تھی، نہ ان کے علاوہ کسی ایسے شخص کے لئے جس کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اسوۂ کامل کے طور پر موجود ہے۔ اور یہ چیز گوتم بدھ، کنفیوشس، ارسطو اور افلاطون جیسے اکابرین تاریخ کی سیرتوں میں تو اور بھی بہت کم پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ تو دراصل کسی قیادت کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ اور اگر کچھ تھوڑی سی صلاحیت ان کے اندر تھی بھی تو وہ زندگی کے صرف ان بعض گوشوں تک محدود تھی۔ جن میں وہ نمایاں اور مشہور ہیں۔ پوری تاریخ انسانی میں اگر کوئی ہستی اس لائق ہے کہ اسے سارے انسانی گروہ اور مختلف قسم کی صلاحیتوں کے مالک تمام انسان اپنے لئے نمونہ بنائیں تو وہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

۵۔ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایسے دلائل سے ثابت ہوتی ہے جن کی رو سے ان کی رسالت میں کسی شک و ریب کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ ایک ایسے انسان کامل کی سیرت ہے جو اپنی دعوت کی راہ میں پے بعد دیگرے کامیابیوں پر کامیابی حاصل کرتا چلا گیا اور یہ کامیابیاں اسے خارق عادت کارناموں اور معجزات کی بجائے خالص فطری طریقے پر حاصل ہوئیں۔ اس نے کارِ دعوت کا آغاز کیا تو ایک طرف اسے بہت سی اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا مگر دوسری طرف بہت سے لوگ اس کے ہم نوا بھی بن گئے۔ اس کو جنگ پر مجبور کیا گیا تو اس نے میدان جنگ میں مخالفین کا سامنا کیا۔ اس نے ایسے حکیمانہ طریقے سے قیادت کی کہ اس کی وفات سے پہلے پورا جزیرۂ عرب اسلام کا حلقہ بگوش ہو چکا تھا۔ اور یہ سب کچھ کسی زور زبردستی کی بجائے محض دل و دماغ کے اطمینان کے نتیجے میں ہوا۔ وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں عربوں کے عقائد و عادات سے واقف ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریمؐ کی دعوت کی مخالفت کن کن طریقوں سے مختلف محاذوں پر کی یہاں تک کہ آپؐ کے قتل کی سازش تک کر ڈالی۔ اور جو لوگ ان معرکوں میں جو نبی کریمؐ اور آپؐ کے مخالفین کے درمیان پیش آئے ——— جو آپؐ کی فتح و کامرانی پر منتج ہوئے ——— فریقین کے درمیان سامان جنگ اور تعداد سپاہ کے فرق و عدم توازن سے باخبر ہیں اور جو اس بات سے بھی آگاہ ہیں کہ اتنی بڑی کامیابی حضورؐ کی بعثت سے وفات تک کی کل تئیس سال کی مختصر سی مدت میں حاصل ہوئی وہ اس بات پر یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت و استقامت اور تائید و نصرت سے صرف اسی لیے نوازا کہ وہ اس کے برحق نبی تھے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو کیا پڑی تھی کہ وہ ایک جھوٹے مدعیٔ نبوت کو ایسی بے مثال تاریخی کامیابی سے نوازتا۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ذریعہ آپؐ کی رسالت کی صداقت خالص عقلی طریقے سے ثابت ہو جاتی ہے۔ رہے وہ معجزات جو مختلف



اوقات میں آپ سے صادر ہوئے تو اہل عرب کے آپؐ کی دعوت پر ایمان لانے میں ان کو اساسی حیثیت حاصل نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس ہمیں آپؐ کا کوئی ایک معجزہ بھی ایسا نہیں ملتا جس کو دیکھ کر کفارِ قریش دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہوں۔ اس حقیقت کے باوجود کہ مادی معجزات صرف ان لوگوں کے خلاف حجت ہوتے ہیں جو ان کا مشاہدہ کرتے ہیں یہ بھی ایک اٹل حقیقت اور ناقابل تردید تاریخی واقعہ ہے کہ جن لوگوں نے نبی کریمؐ کو دیکھا اور آپ کے معجزات کا مشاہدہ کیا انہوں نے صرف ان قطعی اور عقلی دلائل سے مطمئن ہو کر آپؐ کی رسالت کی تصدیق کی جو آپ کے دعویٰ رسالت کو ثابت کرتے ہیں۔ ان دلائل میں قرآن کریم کا مقام سب سے بلند ہے یہ ایک ایسا عقلی معجزہ ہے جو ہر صاحبِ عقل اور انصاف پسند آدمی کے لیے محمدؐ کے دعویٰ رسالت کی تصدیق کو لازم قرار دیتا ہے۔

یہ چیز انبیاء سابقین کے ان حالاتِ زندگی اور واقعاتِ سیرت سے یکسر مختلف ہے جو ان کے نام لیواؤں اور متبعین کے پاس محفوظ ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ انکی دعوت کے اصول و مبادی کو عقل کے معیار پر جانچے اور پرکھے بغیر صرف ان کے خارقِ عادت کارناموں اور معجزات کو دیکھ کر ایمان لائے تھے۔ سیدنا مسیحؑ اس کی واضح ترین مثال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے یہود کو اپنی رسالت پر مطمئن کرنے کے لیے اولین بنیاد ان باتوں کو بنایا کہ وہ مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بینا اور تندرست کر دیتے مردوں کو زندہ کر دیتے اور جو کچھ وہ کھاتے اور گھروں میں جمع کرتے ہیں اس کے بارے میں انکو بتا دیتے ہیں۔ اور موجودہ اناجیل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پر خلق کثیر کے یک بارگی ایمان لانے کا تنہا سبب صرف وہ معجزات تھے نہ کہ انکی رسالت، جیسا کہ قرآن ان کے بارے میں بیان کرتا ہے۔ پھر انکے بعد کے زمانے میں عیسائیت الٰہی معجزات اور خارقِ عادت باتوں کی وجہ سے پھیلی جسکی واضح دلیلیں عہد نامۂ جدید کی کتاب "رسولوں کے اعمال" میں دیکھی

جا سکتی ہیں۔ اس لئے اگر ہم یہ کہیں تو بالکل صحیح کہیں گے کہ موجودہ مسیحیت جس کو اس کے متبعین مانتے ہیں اطمینانِ عقل کی بجائے خارقِ عادت باتوں اور معجزات پر قائم ہے۔

یہیں سے ہم سیرتِ نبویہ کی اس امتیازی خصوصیت کو سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی ایک شخص بھی آپ کے کسی معجزے کو دیکھ کر ایمان نہیں لایا بلکہ جو بھی ایمان لایا عقل و وجدان کے اطمینان کے نتیجے میں لایا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو متعدد غیر معمولی معجزات سے بھی نوازا مگر اس کا مقصد صرف آپ کی عزت افزائی اور ہٹ دھرم معاندین کو لاجواب کرنا تھا۔ جہاں تک توحید و رسالت کے دلائل کا تعلق ہے تو جو شخص بھی قرآنِ کریم کا بغور مطالعہ کرے گا وہ بآسانی اس نتیجے پر پہونچ جائے گا کہ اس نے بار بار لوگوں کو اپنی عقل کے استعمال اور کائنات کی عظیم اور محسوس نشانیوں کا مشاہدہ کرنے پر ابھارا ہے اور انہیں اس بات کی تاکید کی ہے کہ وہ اس بات کو دیکھیں کہ محمدؐ امی ہونے کے باوجود قرآن جیسی عظیم کتاب کو اپنی رسالت کی صداقت کے لئے بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

(عنکبوت ۵۰-۵۱)

اور یہ کہتے ہیں کہ اسکے رب کی طرف سے اسکے اوپر نشانیاں کیوں نہیں اتاری جاتیں، کہہ دے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔ میں تو صرف کھلا ہوا خبردار کرنے والا ہوں۔ کیا انکے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تیرے اوپر کتاب نازل کی جو انکو سنائی جاتی ہے؟ بیشک اس میں رحمت اور یاد دہانی ہے ان لوگوں کیلئے جو مانتے ہیں۔



اور جب اممِ سابقہ کی طرح کفارِ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار معجزات کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مطالبات کا ذکر کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو یہ جواب دلوایا کہ میں تو صرف ایک انسان ہوں جس کو خدائے تعالیٰ نے اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے ارشادِ باری ہے۔۔

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرَؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا۔

(اسراء ۹۰-۹۳)

وہ بولے ہم تیرا کہا اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ نہ جاری کر دے یا تیرے لئے کھجور اور انگور کا ایک باغ ہو پھر تو اسکے درمیان نہریں جاری کر دے، یا ہمارے اوپر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے جیسا کہ تو کہا کرتا ہے، یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لے آ، یا تیرے لئے سونے کا ایک گھر ہو، یا تو آسمان پر چڑھ جائے۔ اور ہم تیرے چڑھنے کو بھی اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک تو ہم پر ایک کتاب نہ اتار لائے جسکو ہم پڑھ لیں۔ تو کہہ سبحان اللہ میں تو صرف ایک انسان رسول ہوں۔

اس طرح قرآن نے پوری صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسان رسول ہیں۔ انکے اندر خدائی صفات اور اختیارات نہیں ہیں۔ اور یہ کہ وہ اپنے دعوئ رسالت میں معجزات اور محیر العقول کارناموں پر اعتماد کرنے کی بجائے عقلوں اور دلوں کو مخاطب کرتے ہیں۔

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۔ (انعام ۱۲۵)

خدا جسکو ہدایت دینا چاہتا ہے اسکے سینے کو قبولِ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے۔

تحریر: ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری    پیشکش: ڈاکٹر طارق جمیل فلاحی

# عربی زبان کی تدریس

عربی زبان اپنی مخصوص ہیئت اور مزاج کے لحاظ سے دیگر زبانوں سے قدرے مختلف ہے، لہٰذا اس کی تعلیم و تدریس میں کسی ایسے منہج پر کلی طور پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا جو مخصوص ضرورتوں اور خاص حالات کو سامنے رکھ کر تشکیل دیا گیا ہو۔ اس زبان کا معاملہ اس لئے بھی مختلف ہے کہ کسی بھی ایسے غیر عرب ملک یا علاقہ میں جہاں مسلمان بستے ہیں ہم اس کو کلیتاً اس زمرہ میں نہیں رکھ سکتے جسکو اجنبی زبانوں کا درجہ دیکر انکی تدریس کا وہ طریقہ اپنایا جاتا ہے جو ملکی اور مادری زبانوں کے تدریسی طریقوں سے مختلف ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ ظاہر ہے ہندوستان میں عربی زبان کو مادری زبان یا ملکی زبان کا مرتبہ بھی حاصل نہیں ہے مطلب یہ کہ عربی زبان نہ تو ہمارے لئے اجنبی زبان ہے اور نہ ہماری ملکی اور مادری زبان۔ بلکہ اس کا معاملہ بین بین ہے۔ معاملہ اس وقت اور بھی غور طلب ہو جاتا ہے جب ہم اس زبان کو کلاسیکل اور ماڈرن دونوں حیثیتوں سے پڑھنا پڑھانا چاہتے ہیں۔ آج زندگی کی بھاگ دوڑ، جدید سماجی، سائنسی اور ثقافتی چیلنجز ایک طرف ہم سے تیز گامی اور تیز فہمی کے طالب اور تعلیم برائے ملازمت (JOB ORIENTED) پر اکساتے ہیں، تو ہماری دینی ثقافت اور مذہبی روایات ٹھہر کر غور کرنے اور پھر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتی ہیں۔ اقدار و روایات کی شکست و ریخت کے اس دور میں عربی زبان کے معلم کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں، کیونکہ تدریس و تعلیم کے مسائل کا تعلق بہرحال اسکی مقصدیت سے جڑا ہوتا ہے۔ اب ہم خود غور کر لیں کہ عربی زبان کی تدریس سے ہمارا مقصد کیا اتنا ہی محدود ہے جتنا کہ دوسری زبانوں کی تدریس کا ہے۔ یقیناً ہمارا جواب نفی میں ہوگا، ہمارا مقصد صرف معاشی

ٹ۔ جامعۃ الفلاح میں "عربی زبان کی تدریس میں جدید تجربات سے استفادہ" کے عنوان پر ہوئے ورکشاپ میں ۔ رجون [illegible] کو پڑھا گیا۔



ضرورتوں کا فوری اور جزوقتی حل تلاش کرنے تک محدود نہیں، بلکہ عربی زبان سے ہمارا جو مذہبی رشتہ ہے وہ ہم سے تقاضہ کرتا ہے کہ کردار سازی، تہذیب نفس، ذہنی تربیت جیسے جامع اور اعلیٰ مقاصد کے ساتھ ساتھ ہماری اولین ترجیح اللہ کے اس آفاقی پیغام کو بھی سمجھانا ہونا چاہیئے جو قرآن کی شکل میں انسانیت کی فلاح و سعادت کی ضمانت بنکر آیا ہے۔ اسی طرح اس زبان سے ہمارے علمی و ثقافتی روابط ہم سے تقاضہ کرتے ہیں کہ ہم اپنے اندر اس زبان کی قدر و قیمت کا راسخ یقین پیدا کریں، اور اس زبان میں موجود علوم و فنون کے ورثہ کی حفاظت کی ذمہ داری محسوس کریں۔ لہٰذا عربی زبان کے مدرسین سے جن فنی و تکنیکی صلاحیتوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے ان کے ساتھ ساتھ ان کے پیش نظر یہ بات بہرحال رہنی چاہیئے کہ وہ کسی اور زبان کی نہیں بلکہ لغت قرآن کی تعلیم دینے کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

عربی زبان کی تدریس کیلئے ایسے ماہر اور سنجیدہ افراد کی خدمات حاصل کی جانی چاہییں جو علمی طور پر فائق ہونے کے ساتھ بچوں کی نفسیات اور انکے مختلف ذہنی رجحانات کو سمجھنے کا ذوق بھی رکھتے ہوں، یوں بھی زبان کے معلم کی ذمہ داریاں دوسرے مضامین کے معلم سے کہیں زیادہ ہیں، اسکی اولین خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ حروف و رموز اور بے جان الفاظ کو طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق، ان کے گرد و پیش کو ملحوظ رکھتے ہوئے، معنویت عطا کرتا ہے۔ لہٰذا تکنیکی طور پر ابتدائی اور ثانوی مرحلوں اور پھر اعلیٰ درجات کے طلبہ کیلئے زبان کی تعلیم و تدریس کا مقصد واضح اور متعین ہونا چاہیئے، ظاہر ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں ہم بچہ کو زبان کی تعلیم اس لئے دیتے ہیں کہ وہ صحیح قرأت و کتابت کر سکے، جو چیز پڑھی یا سنائی جائے اس کا ادراک کر سکے اور پھر اپنے ارد گرد کی اشیاء پر غور کر سکے، اس مقصد کے حصول کیلئے ہم کو ان تعلیمی موضوعات و مشتملات پر بھی از سر نو غور کرنا ہوگا جو ہمارے نصاب تعلیم میں شامل ہیں۔

ثانوی مرحلہ میں زبان کی تعلیم کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ طالب علم جو کچھ محسوس

پڑھا یا سمجھا جا سکے، اس کا صحیح ڈھنگ سے تحریر و تقریر کے ذریعہ اظہار کر سکے اور بعد کے مراحل میں بالترتیب وسعت اور بحث و تحقیق کے پہلو بھی شامل ہوتے جاتے ہیں۔ یونیورسٹیوں اور ان تعلیمی اداروں کو چھوڑ کر جہاں عربی زبان محض ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے عربی مدارس و جامعات مذکورہ مقاصد کی روشنی میں عربی زبان کی تدریس بخوبی کر سکتی ہیں، بشرطیکہ ہم زبان کے تئیں اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنے پر تیار ہوں، اگر ہم اس کو مستقل بالذات سمجھتے ہیں اور اس کے فروع کو اس سے بالکل الگ تھلگ سمجھتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ یہ رویہ غیر مفید ہے، بلکہ اس سے بچہ کا ذہن یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ جو اصول و قواعد پڑھ رہا ہے ان کا تعبیر یا متون و نصوص سے کوئی رشتہ نہیں۔ اور جس طرح ہر سبجیکٹ مقصود بالذات ہے اسی طرح زبان اور اس کے اصول و قواعد بھی مقصود بالذات ہیں، لیکن اگر ہم زبان کو وسیلہ اظہار کی حیثیت سے پڑھاتے ہیں تو مقاصد میں تنوع اور وسعت ہوگی، اور اس کی تدریس کے مواقع بھی محدود نہیں ہوں گے، اگر ہم اس مسئلہ کو واضح طور پر سمجھ لیتے ہیں تو ہم کو اس کے مقاصد کی تعیین اور پھر طریقہ تدریس کے نقوش پر غور کرنے میں آسانی ہوگی، کیونکہ طریقہ تعلیم اصطلاحی مفہوم میں چند بنیادوں پر قائم ہوتا ہے، جن میں سب سے پہلے اس طریقہ کے متوقع مقاصد ہیں جو سماج کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر متعین کئے جاتے ہیں، دوسرے درجہ میں مقاصد کی روشنی میں طلبہ کی نفسیاتی خصوصیات کو سامنے رکھتے ہوئے کورسیز کے مشتملات آتے ہیں، یعنی ابتدا سے لیکر آخر تک کورسیز کی ترتیب و تشکیل میں موزونیت اور معیاری ترتیب کو ملحوظ رکھا جانا چاہئے، اور تیسرے نمبر پہ طریقہ تدریس کا تعین ہے

ہمارے یہاں ہندوستان میں عربی زبان کی تدریس کا جو طریقہ رائج رہا ہے وہ قدیم قیاسی طریقہ تدریسیات سے زیادہ قریب ہے، جس میں معلم سبق کا آغاز کسی قاعدہ یا اس کی تعریف یا کوئی عام اصول بیان کر کے کرتا ہے، پھر



اس مذکورہ قاعدہ پر منطبق کر کے چند مثالیں دیتا ہے تاکہ اس کی یہ تطبیق قاعدہ پر منطبق ہو جائے، عموماً ہر کلاس کے طلبہ کے سامنے یہی طریقہ اپنایا جاتا ہے، نصاب اتنا بوجھل اور نظری ہوتا ہے کہ نہ صرف طلبہ کے ذہن اس سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتے بلکہ معلم کی نظر بھی اس کے تطبیقی پہلوؤں پر رہنے کے بجائے نظری پہلوؤں پر رہتی ہے، یوں بھی تدریس کا یہ فطری طریقہ نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ اسکی بنیاد معلوم سے مجہول اور کل سے جزء تک پہونچنے پر ہے، جبکہ عقل جزئیات کا ادراک کرنے کے بعد کلی امور کا ادراک کرتی ہے، اس سے طلبہ میں رٹنے، تقلید اور اعتماد علی الغیر کے رجحانات پیدا ہوتے ہیں، گو کہ اس طریقہ کے حامی علماء کی منطق یہ ہے کہ سرعت ادا اور سہولت کے اعتبار سے یہ بہترین طریقہ ہے، اس میں طالب علم پہلے اچھی طرح قاعدہ سمجھ لیتا ہے اور اس قاعدہ کی بنیاد پر وہ اپنی تعبیر و ادا میں غلطیوں سے محفوظ رہتا ہے، لیکن عملاً یہ طریقہ تقلید جامد کی وجہ سے فرسودہ ہو چکا ہے، چنانچہ انیسویں صدی کے اواخر میں جرمن مفکر یوحنا فریڈرک ہربارٹ (م ۱۸۴۱ء) کے تعلیمی نظریات سے متاثر ہو کر عرب ممالک میں جس طریقہ تعلیم کا تعارف کرایا گیا وہ استقرائی یا استنباطی طریقہ تدریس کے نام سے موسوم ہے، اس طریقہ کے تحت درس کو مندرجہ ذیل چند نکات میں تقسیم کر کے مرتب کیا جاتا ہے۔

(۱) تمہید/مقدمہ (۲) عرض (۳) ربط/موازنہ (۴) قاعدہ (۵) استنباط/استقرار (۶) تطبیق۔

پہلے مرحلہ میں معلم طلباء کو کسی واقعہ، گفتگو یا تمہیدی کلمات سے جدید موضوع کو قبول کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کرتا ہے اور انکی یادداشتوں میں محفوظ چند متعلقہ امور کو اجاگر کر کے انہیں آج پڑھائے جانے والے درس سے مربوط کرتا ہے۔ دوسرے مرحلہ میں معلم جامع انداز میں آج کے درس کے بارے میں چند وضاحتیں کرتا ہے اور مثالوں کو پیش کرنے کے بعد انکو اپنے ساتھ مناقشہ میں شریک کرتا ہے تاکہ قاعدہ کے استنباط کی راہ ہموار کی جا سکے، یہ مرحلہ

اگرچہ آئندہ کے مراحل کی تمہید ہوتا ہے، لیکن انتہائی اہم ہے۔ معلم کو چاہئے کہ اس میں طلبہ کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے واضح اور مناسب مثالیں دے، اور جب تک طلبہ پوری طرح سے ایک بات سمجھ نہ لیں آگے نہ بڑھے۔ اگلا مرحلہ دراصل آج کے درس اور گذشتہ اسباق کے درمیان موازنہ کا مرحلہ ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے طلبہ کے ذہنوں میں تسلسل اور ربط باقی رہے۔ اب استنباط کا مرحلہ آتا ہے جس میں معلم اپنی پیش کردہ باتوں کی روشنی میں نتائج اخذ کرتا ہے، اور طلبہ کے سامنے ان نتائج کو اس ہوشیاری سے رکھتا ہے کہ ان کے سامنے خود استنباط کے مواقع موجود رہتے ہیں، یعنی اس مرحلہ میں معلم کوئی قاعدہ وضع کرکے طلبہ کے سامنے نہیں رکھتا بلکہ قاعدہ کے استنباط میں انکی واضح رہنمائی کرتا ہے۔ آخری مرحلہ تطبیق کا ہے، کیونکہ اصول وقواعد کی تدریس اس وقت تک سودمند نہیں ہوسکتی جب تک کہ طلبہ میں تطبیق وتمرین کی عادت نہ ڈالی جائے، گویا قواعد کی تدریس تک تو نحوی خصائص کے نظری پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، اور تطبیق کے ذریعہ اسکے عملی پہلوؤں پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے، تاکہ طلبہ میں صحتِ تعبیر اور صحتِ قرأت کا ملکہ پیدا ہو۔

مذکورہ طریقہ جو حالات خاصہ سے احکام عامہ اور جزء سے کل کی جانب چلتا ہے، طلبہ سے خود حقائق ومعلومات تک پہونچنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس میں معلم کی ذمہ داری بھی بڑھ جاتی ہے، اس کو درس سے متعلق خود ہوم ورک کرنا پڑتا ہے، اور پہلے ہی سے بہت سی مثالوں کو اکٹھا کرکے طلبہ کے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے، اور ہر مثال کو منطبق کرکے اس پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کرنی ہوتی ہے، اس میں طلبہ کی ذہنی وفکری نشو ونما بتدریج ہوتی ہے اور خود اعتمادی کا ملکہ پیدا ہوتا ہے، اگرچہ ناقدین نے اس طریقہ میں آہستہ روی کا الزام لگایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیاسی طریقہ تدریس کے مقابلہ میں یہ طریقہ زیادہ مفید اور مستحکم ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ عقل ونفسیات کو زیادہ اپیل کرتا ہے، تاہم ان طرق تدریس کے بیان سے یہ مقصد



نہیں کہ ہم معلم سے تقلید جامد کا مطالبہ کریں، اکثر حالات میں تو معلم ہی کو مناسب طریقہ تدریس کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے کیونکہ اس کے سامنے پوری کلاس کے طلبہ کی تعلیمی صلاحیتیں اور معیارات ہوتے ہیں، اور ان معیارات کو ملحوظ رکھنا بہرحال معلم کی ذمہ داری ہوتی ہے، ایسی صورت میں مطلوبہ طریقہ تدریس میں طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق اضافہ وترمیم معلم کا حق ہے، مذکورہ طریقہ کی روشنی میں ہندوستان کے عربی مدارس وجامعات میں اصول وقواعد کی تدریس کی عملی شکل کیا ہوسکتی ہے، اور اس میں کن امور کی رعایت ضروری ہے آئیے دیکھیں۔

قواعد کی تدریس لغت کے حوالے سے کی جائے، یعنی آسان ادبی اسالیب سے ایسی مثالیں اور عبارتیں منتخب کی جائیں جو طلبہ کی ذہنی نشو ونما کیلئے سودمند ہوں اور انکی معلومات میں اضافہ کریں، ساتھ ہی ساتھ وہ عبارتیں اصول وقواعد کی وضاحت بھی کرتی ہوں، اور طلبہ کی دلچسپیوں اور رجحانات کو مدنظر رکھ کر منتخب کی گئی ہوں۔

نحوی مسائل کی تدریس کے دوران قواعد کی تدریس کے مقصد کو بہرحال مدنظر رکھا جائے، یعنی معلم ان نحوی تفصیلات کو طلبہ کے سامنے بیان کرنے سے پرہیز کرے جو اس کلاس کے طلبہ کے لئے غیر ضروری ہیں اور متعین مقصد سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔

— ضروری حد تک مصطلحات کے استعمال میں اختصار سے کام لیا جائے۔

— تدریس کے دوران معلم صرف دی ہوئی مثالوں اور انکی روشنی میں مستنبط قاعدہ کو طلبہ کے ذہنوں میں پیوست کرنے ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ زبان سے ان مثالوں کی تکرار کرے اور ان جیسی دیگر مثالوں کو بھی زبانی پیش کرے، اور طلبہ سے ان مثالوں اور عبارتوں کو مکرر سہ کرر ادا کرنے کی تاکید کرے، تاکہ ان میں صحتِ نطق، مذکورہ قاعدہ کو تیزی سے اخذ کرنے اور استحضار کی صلاحیت پیدا ہو۔

تدریس قواعد کا بنیادی ڈھانچہ یہ ہونا چاہئے کہ پہلے عبارات وامثلہ کو سامنے

دکھایا جائے، پھر مناقشہ ہو جس میں معلم کے ساتھ طلبہ بھرپور حصہ لیں، اس کے بعد ربط وموازنہ کیا جائے اور پھر استنباط احکام اور تطبیق کا عمل انجام دیا جائے

جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے، مثالوں کے انتخاب میں کئی طریقوں پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

معلم خود مثالوں کو تیار کرے اور بلیک بورڈ پر لکھے، اس طریقہ میں حسنِ انتخاب کے ساتھ وقت کی بچت بھی ہوتی ہے، لیکن چونکہ طلبہ کا رویہ سلبی ہوتا ہے، اور اس طرح سے ان کے سامنے مثالوں کو پیش کرنے سے ان پر دباؤ پڑتا ہے لہٰذا معلم کیلئے مناسب ہے کہ مسلسل اسی طریقہ پر عمل نہ کرے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ معلم مخصوص طریقہ اور نمونہ کے مطابق طلبہ سے مثالیں دینے کی فرمائش کرے، تاکہ درس میں عملاً شرکت پر آمادہ کر کے ان میں خود اعتمادی پیدا کی جا سکے۔ اس طرح ان کا موقف بھی ایجابی رہتا ہے۔ لیکن اس طریقہ کو بھی مسلسل اپنانا سودمند نہیں ہوگا، کیونکہ ہر طالب علم کی صلاحیت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، اور طلبہ جو مثالیں دیں گے ان میں عموماً اسلوبی اور معنوی خامیاں رہیں گی اور معلم کو ان مثالوں کی اصلاح میں معین وقت کا خاصہ حصہ صرف کرنا پڑیگا۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ معلم کسی بھی دلچسپی کے موضوع سے متعلق مناسب عبارت کو بلیک بورڈ پر لکھے اور مناقشہ کے ذریعہ اس عبارت سے مثالوں کو اخذ کرے، اس طرح سے طلبہ کی معلومات وثقافت میں وسعت پیدا ہوتی ہے عبارتوں سے مطلوبہ قاعدہ کی شرح کے طریقوں سے واقفیت ہوتی ہے اور ایک ہی عبارت سے کئی مثالیں مل جاتی ہیں، اور لغت ومتون کے ذریعہ سے قواعد کی تفہیم بھی ہوتی ہے۔

بہرحال جو بھی طریقہ اپنایا جائے اس میں اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ منتخب مثالوں اور عبارتوں میں فکر اور موضوع کے اعتبار سے وضاحت و تنوع ہو اور ان میں اسلوب کے جمالیاتی پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھا گیا ہو۔



معلم کو چاہئے کہ سب سے پہلے کلاس میں پیش کی جانے والی مثالوں اور عبارتوں سے متعلق جامع اور مختصر انداز میں تمہیدی کلمات کہے، طلبہ کی سابقہ معلومات کے بارے میں سوالات کرے، اور اگر کسی متن سے مدد لی جانے والی ہے تو اس سے مثالوں کو اخذ کر کے بلیک بورڈ پر لکھے اور طلبہ سے خاموش قرأت کرائے۔

مثالوں کو پیش کرنے میں کسی ایک طریقہ کا انتخاب کر کے طلبہ سے سوالات کرے۔ معلم متن سے ان مثالوں کو طلبہ سے بھی اخذ کرا سکتا ہے، اور وقت کی بچت کے پیش نظر خود بھی یہ کام انجام دے سکتا ہے، ان مثالوں کی، جو اکٹھا یا تدریجاً بلیک بورڈ کے اوپر داہنی جانب لکھی جانی چاہئیں۔ خود قرأت کرے اور مطلوبہ الفاظ کے نیچے خط کھینچ دے، اگر موجودہ متن سے کافی مثالیں نہیں ملتی ہیں تو معلم اپنی طرف سے چند مثالوں کا اضافہ بھی کر سکتا ہے، اس کے بعد معلم کو چاہئے کہ اپنے ساتھ طلبہ کو مناقشہ میں شریک کرے، اور سوال وجواب اور اظہار رائے کی پوری آزادی دے، گذشتہ درس سے آج کے درس کا ربط وموازنہ، آج پیش کی جانے والی مثالوں کے درمیان ربط وموازنہ، موضوع بحث قاعدہ کی قسم، اعراب اور معنویت وغیرہ پر گفتگو بھی اسی مرحلہ کا حصہ ہیں، آخر میں معلم قاعدہ کے استنباط میں طلبہ کی واضح رہنمائی کر دے۔

موازنہ، ربط اور موجودہ مثالوں میں اشتراک واختلاف پر بحث اور استنباط قاعدہ کے واضح اشارے دینے کے بعد معلم کو چاہئے کہ وہ مستنبط قاعدہ کے اصطلاحی نام کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے بعد اسے بلیک بورڈ پر لکھ دے اور طلبہ سے اسکی قرأت کرائے، اس کے بعد طلبہ میں سے کسی سے کتاب میں درج قاعدہ کی قرأت کرائے اور اس میں دی گئی تراکیب کی تشریح کرے، اور انکو بلیک بورڈ پر لکھی ہوئی مثالوں سے مربوط کرے، قاعدہ کی تشریح وتفہیم کے دوران مصطلحات کے استعمال میں حتی الامکان اختصار سے کام لے۔

پورے درس کی افادیت اس بات پر موقوف ہے کہ اسکی زبانی اور تحریری تطبیق

کس دلنشین اور سلیس اسلوب میں کی جاتی ہے۔ اس میں اولاً تو ہر قاعدہ کے بعد دوسرے قاعدہ کی تدریس سے قبل جزئی تطبیق کی جاتی ہے اور اسکے بعد تمام قواعد کی تدریس کے بعد کلی تطبیق کی جاتی ہے۔ تطبیق کا مرحلہ انتہائی اہم ہے اور اس کو عملی طور پر اپنائے بغیر درس کی غرض و غایت کی تکمیل ادھوری ہوتی ہے، کیونکہ اس کے بغیر قاعدہ نہ تو طلبہ کے ذہن نشین ہوتا ہے اور نہ قواعد کی رعایت انکی عادت میں داخل ہوتی ہے، کیونکہ عادت بغیر تمرین و ممارست کے پختہ نہیں ہوتی، لہذا معلم کو چاہیئے کہ وہ تدریجی رویہ اپناکر طلبہ میں زبان کے تئیں نشاط پیدا کرے۔ مثلاً:

چھوٹی چھوٹی عبارتیں یا مکمل جملے طلبہ کے سامنے رکھے اور ان سے مطلوب کی تعیین کا مطالبہ کرے، مثلاً جملہ میں فاعل کہاں ہے؟ صفت کون سا کلمہ ہے؟ مبتدا کی خبر کیا ہے؟ وغیرہ۔

ناقص جملے طلبہ کے سامنے رکھے اور ان سے تکمیل کرائے۔

زندہ موضوعات پر مشتمل ادبی اسالیب، تاریخی معلومات، اخبارات ورسائل، قصص وحکایات اور درسی وغیر درسی کتابوں سے منتخب عبارات کی قرأت کرائے اور زیر بحث موضوعات وقواعد کے مطابق اقتدار کی بتدریج مشق کرائے۔

آخر میں علماء لغت اور ماہرین تعلیم کی اس متفقہ رائے کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے کہ تدریس لغت میں ناکامی کے دیگر اسباب کے ساتھ اصل خامی دراصل طرق تدریس کی ادائیگی، نظم اور نصاب درس کے مشتملات سے پیدا ہوتی ہے۔ معلم جس سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق طریقہ تدریس کو اپناکر طلبہ کے ذہنی معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے تدریسی فرائض انجام دیگا، اور دلچسپ پیرایۂ بیان میں زبان کی تدریس کرکے ان میں زبان کی سیکھنے کا ذوق وشوق اور امنگ وحوصلہ پیدا کریگا، وہ درحقیقت اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام نہیں دے پاتا۔ وجہ کہیں پیشہ سے لاتعلقی اور بیزاری، کہیں انتظامی رکاوٹیں



اور مصروفیات اور کہیں فن تدریس سے لاعلمی ہوتی ہے۔ ان وجوہ میں ایک اور وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ ہم صحیح طریقہ سے اس کام کیلئے معلمین کو تیار نہیں کر پاتے۔ ہماری یہ امید کہ ایک اچھا ماہر لغت کا اچھا معلم بھی ہو سکتا ہے، ہماری اپنی کوتاہ اندیشی کے سوا کچھ نہیں۔ معلم لغت کو جن خصائص کا حامل ہونا چاہیئے ان میں اولین درجہ واضح اور متعین مقصد کا احساس ہے، کہ زبان کی تعلیم وتدریس کا عمومی مقصد یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعہ اپنے احساسات وتجربات اور مافی الضمیر کا اظہار کرسکے اور اس زبان کو بولنے والے سماج کے افراد سے خود کو مربوط کرسکے۔ اس عمومی مقصد کی درجہ بندی بھی کلاس کی درجہ بندی کی پابند ہونی چاہیئے اور حتمی طور پر معلم کو اس درجہ بندی کا لحاظ رکھنا چاہیئے، جب اس احساس کے ساتھ معلم طلبہ کو زبان کی تعلیم دیگا تو لازماً اس کو رابطہ کے مختلف طریقوں سماعت، گفتگو، قرأت وکتابت اور دیگر اسالیب کی تعلیم دینی پڑیگی، پھر آگے چل کر افکار وخیالات، عواطف ومیلانات اور خالص علمی موضوعات کو مختلف پیرایۂ بیان میں ڈھالنے کا ڈھنگ بھی سکھانا پڑیگا۔

---

# غزل

جاوید احسن فلاحی
دوحہ قطر

رلائیگی لہو فصل بہاراں ہم نہ کہتے تھے
بہت تڑپائے گا یہ درد ہجراں ہم نہ کہتے تھے

ہماری داستان غم بنے گی اک جہاں کا غم
محیط زندگی ہوگا یہ عنواں ہم نہ کہتے تھے

یقیناً ٹوٹ جائیں گی غلامی کی یہ زنجیریں
نئے انداز سے دل ہوگا زنداں ہم نہ کہتے تھے

کوئی دن آگ برسے گی یہاں گلشن کے ہر گل پر
بالب بھر چکا ہے جام عصیاں ہم نہ کہتے تھے

کوئی دن رنگ لائیگا لہو مزدور کا آخر
لرز اٹھیں گے جس سے قصر ایواں ہم نہ کہتے تھے

پھرے ہے قیس صحرا میں لٹاکر شہر دل اپنا
قیامت ڈھائیگی یہ چشم خوباں ہم نہ کہتے تھے

ذرا وحشت سے گھبرا کر دلوں کو تھامنے والو
ان آنکھوں میں ہے اک رشک غزالاں ہم نہ کہتے تھے

دکھا جاوید جلوہ تم نے کچھ نامعتبر جانا
گیا تو لٹ گئی ہے بزم جاناں ہم نہ کہتے تھے

محمد حسن حبیب فلاحی

# امت مسلمہ نیپال کے مسائل۔ اسباب اور حل

اللہ تعالیٰ کی زمین پر امت مسلمہ کی حیثیت آخری امت ہونے کے اعتبار سے داعی امت کی ہے۔ جس کا اعلان صاف لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن حکیم میں فرمایا اور جس کی یاد دہانی خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے قبل کرائی، گویا امت مسلمہ ایک داعی گروہ کا نام ہے جس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حق کی شہادت کا فریضہ انجام دے اور اسی حالت میں اپنے خالق سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ
هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ
فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ
اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ
مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ
شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ
عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ
هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ
النَّصِيْرُ.

اور محنت کرو اللہ کے واسطے جیسی کہ چاہیے
اس کے واسطے محنت اس نے تم کو پسند کیا
اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل دین
تمہارے باپ ابراہیم کا اسی نے نام رکھا
تمہارا مسلمان پہلے سے اور اس قرآن میں
تاکہ رسول ہو بتانے والا تم پر اور تم ہو بتانے
والے لوگوں پر سو قائم رکھو نماز
اور دیتے رہو زکوۃ اور مضبوط
پکڑو اللہ کو وہ تمہارا مالک
ہے سو خوب مالک ہے اور خوب مددگار

(الحج / ۷۸)

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے شہیداً علیکم کا ترجمہ حکمرانی سے کیا ہے۔ شہادت حق سے مراد علی الناس پر حق کی گواہی ہے جو انبیائے کرام کا مشن رہا ہے۔ اب نبی آخر الزماں



محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ذمہ داری امت کی ہے کہ اس کے افراد کار رسالت انجام دیتے رہیں۔ اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کا انتخاب کیا ہے تفسیر میں مولانا ابوالوفاؒ فرماتے ہیں کہ شہادت علی الناس کے حکمرانی سے ترجمے سے دنیاوی و اخروی شہادت دونوں باتیں آجاتی ہیں اور اس سے دونوں ہی مراد ہیں مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام دراصل اللہ کے خلیفہ ہیں۔ اور اب انبیاء کے واسطے سے امت مسلمہ بھی زمین پر خلیفہ ہے۔

آیت کریمہ میں اس امت کا نام امت مسلمہ تجویز کیا گیا ہے۔ اس کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے اور ان چیزوں کو یاد دلاتے ہوئے تاکید کی گئی کہ دیکھو انتشار کی ڈگر سے بچ کر رہنا اور اللہ ہی کا سہارا پکڑنا۔ وہی بہتر مددگار ہے۔ اس مختصر اور جامع آیت قرآنی میں امت مسلمہ کی حقیقت، مقام اور ذمہ داری کو اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امت مسلمہ کا مشن ہی دعوت اور شہادت علی الناس ہے لیکن امت مسلمہ نیپال کو خاص طور پر مسائل نے اس طرح گھیر رکھا ہے کہ اصل مشن یعنی دعوت سے اس کی توجہ ہٹ گئی ہے۔ امت کے ان مسائل کو جب تک حل نہ کر لیا جائے اصل مشن کیلئے کچھ کرنا بہت مشکل ہے۔ دوسری طرف غیر قومیں بھی اسلام اور مسلمانوں کی جانب اسی وقت کشش محسوس کریں گی جب کہ مسلمانوں کے اندر سے بگاڑ اور خرابیاں دور ہو جائیں اور انتشار کی فضا ختم ہو گویا امت مسلمہ نیپال کے مسائل دعوت و اصلاح کے کام میں سخت رکاوٹ ہیں جن کا حل ڈھونڈنا ناگزیر ہے۔

ہمیں یہ غلط فہمی نہ ہو کہ سارے مسائل پر سوچا جا چکا ہے اور ان کے حل تجویز کئے جا چکے ہیں۔ انہیں بلکہ اس سیمینار کا مقصد یہ ہے کہ علماء کرام اور دانشوران امت کے سامنے کچھ بنیادی مستحکم مسائل آجائیں تاکہ ان کی روشنی میں مزید مسائل کی طرف توجہ کرنے میں آسانی بہم پہنچے اور ان کے لئے مثبت تعمیر سوچ سکیں۔

## تعلیم کا مسئلہ

علم و حکمت اہل ایمان کا نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ قرآن حکیم نے بھی اس کو حاصل کرنے پر زور دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے بھی اس کو ایک دینی فریضہ قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا "طلب العلم فریضة علی کل مسلم" یعنی علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ فرمان نبوی میں حصول علم کی اس قدر تاکید علم کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ علم ایمان کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اسی وجہ سے بنیادی علم کا حصول ہر مومن کے لئے فرض کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن وسنت نے تو مومن میں مرد عورت دونوں کو شامل کیا ہے لیکن ہم نے مومن کی اس فہرست سے مسلم سماج کی مومن۔ عورت کو خارج کر دیا ہے۔

قرآن حکیم نے اس کے حصول کی تاکید کی ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔

اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ کوچ کریں سارے سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جبکہ لوٹ کر آئیں انکی طرف تاکہ وہ بچتے رہیں۔

(التوبہ/۱۲۲)

اس کے ساتھ علوم فلکیات اور علوم جدیدہ کے حصول پر بھی آیات قرآنی سے روشنی پڑتی ہے۔ اہل ایمان کی خوبی بتاتے ہوئے فرمایا۔

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں، کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں پیدا کیا تو پاک ہے سب عیبوں سے سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔

(آل عمران/۱۹۱)

امت مسلمہ ہند کا اس پہلو سے جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ تعلیم کا مسئلہ



اس امت کا سب سے زیادہ الجھا ہوا اور پیچیدہ ہے۔ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ علم کی اہمیت ہی ابھی ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس کی قیمت کیا ہے، بلکہ بسا اوقات ہم اس کو ایک کم قیمت لاحاصل اور حقیر شئی سمجھ کر ٹھکرا دیتے ہیں۔ آج اس کی جگہ سیم وزر اور دنیاوی دولت نے لے لی ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ قرآن وسنت کے علم سے دور تو ہیں ہی علوم عصریہ کی طرف بھی بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ شروع ہی سے کاروبار اور تجارت اور دوسری مشغولیتوں میں لگ جانے اور جلد سے جلد پیسہ کمانے کی دھن نے سماج کو اس پہلو سے مزید بانجھ کر دیا ہے۔ شہروں میں جہاں علوم جدیدہ کے حصول کے مواقع میسر ہیں وہاں کی صورت حال دیہاتوں سے تو کسی قدر غنیمت ہے تاہم بہت مختلف نہیں ہے۔ ایسے علاقوں کے دانشور، اور ہمارے بیشتر بزرگ اپنی نئی نسل کے بارے میں اسی طرح شکوہ کرتے نظر آتے ہیں، اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا شکوہ بجا اور مبنی برحقیقت ہے۔

اس پچھڑے پن کی دوسری وجہ غربت ہے بلکہ اگر اس کو بنیادی رکاوٹ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس فہرست میں بطور خاص وہ علاقے شامل ہیں جہاں آمد ورفت اور تجارت کی سہولتیں میسر نہیں اور بدقسمتی سے مسلمانوں کی بیشتر تعداد ایسے ہی خطوں میں آباد ہے۔ ترقی کے اس قدر شور اور دھوم کے باوجود ایسے سیکڑوں دیہات اور قصبے موجود ہیں جہاں ابتدائی تعلیم کا نظم بھی بہتر ڈھنگ سے نہیں ہو سکا ہے ثانوی اور اعلی تعلیم کے لئے تو ان کے بچوں کو موقع ہی نہیں میلوں پیدل یا سائیکل سے سفر کرنے کے بعد کہیں جا کر ایسے ادارے مشکل سے نظر آتے ہیں لیکن غربت کے سبب والدین اپنے بچوں کو دوسری جگہ بھیج کر تعلیم نہیں دلا سکتے۔ اس لئے ابتدا ہی میں یا تو کسی گھر یا کارخانہ کی نوکری میں لگا دیتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ پختہ مکانات کی تعمیر اور موٹر میکانک میں لگا کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔

جہاں تک خالص دینی تعلیم کا سوال ہے تو ہمارے مکاتب، درسگاہوں اور مدارس کی صورت حال بتاتے ہوئے قلم رک سا جاتا ہے،

اولاً تو توجہ ہی اس جانب بہت کم ہے اور ہے بھی تو یوں ہی سی کم نظری کا نتیجہ ہے۔ ترقی زمانہ کی چمک نے ہماری نظروں سے علم حقیقی کی اہمیت کو اوجھل کر دیا ہے اور ہم نے خود بھی علم دین اور علم دنیا کی غیر حقیقی اور بے معنی تقسیم کر کے اپنے نظام تعلیم کی ایک آنکھ کی بینائی چھین لی ہے۔ قرآن و سنت نے دینی و دنیاوی تعلیم کی ایسی کوئی تقسیم نہیں کی ہے۔ یہ ہماری خود ساختہ تقسیم ہے جس نے ہمارے مدارس کے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم دونوں کو لنگڑا کر دیا ہے۔ اس میں دوسروں کو الزام دینے سے قبل ہمیں اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے مدارس کے زوال پذیر معیار تعلیم، نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کی خامی اور تربیت کے غیر معقول انتظام نے علم دین اور علماء کی اہمیت کو گرا دیا ہے تعلیم و تربیت ہر دو پہلو سے مدارس عربیہ قابل رحم ہیں، ممکن ہے بعض مدارس کسی اعتبار سے کچھ مستثنیٰ ہوں لیکن مجموعی صورت حال اس سے مختلف نہیں ہے اس ضمن میں یہ عرض کرتا چلوں کہ تربیت یافتہ اور تجربہ کار اساتذہ کرام کی بھی حد درجہ کمی ہے اگر کہنہ مشق اساتذہ کرام کی معتد بہ تعداد ہمیں میسر آ جائے تو اس مسئلہ سے ایک حد تک نمٹا جا سکتا ہے۔ بیشتر مدارس کا بیت المال بھی کس مپرسی کے عالم میں ہے بمشکل مدارس اپنا بجٹ پورا کرتے ہیں۔ اساتذہ کی تنخواہیں غیر معقول حد تک کم ہوتی ہیں جس سے کسی بھی طرح کفاف کا انتظام کیا جانا ممکن نہیں، اور وہ تنخواہیں بھی بر وقت ادا نہیں کی جاتیں۔ ایک باصلاحیت عالم و فاضل کی تنخواہ رسمی سرکاری اداروں سے ثانوی کے معیار کی تعلیم حاصل کرنے والوں سے بھی کم ہوتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ خواہ وہ کسی میدان کے عالم ہوں، تجوید کے ہوں یا طب کے، سائنس ہوں یا اقلیدس کے، قرآن کے ہوں یا اقتصادیات اور سیاسیات کے۔ کہاں ہیں وہ ماہرین جو کسی قوم کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں!!؟ یا للعجب، جس قوم نے دنیا کو سارے علوم سکھائے وہی قوم آج تشنہ لب



اور محروم ہے۔

مسلم بچیوں کی تعلیمی حالت تو مزید ابتر ہے۔ زیادہ تر علاقوں میں تو آج بھی یہ تصور کار فرما ہے کہ بچیاں تو پڑھنے کے لئے ہوتی ہی نہیں۔ اب بھی دیہاتوں میں سینکڑوں مسلم لڑکیاں جہالت کے دلدل میں پھنس کر تباہ ہو رہی ہیں۔ ناخواندگی ان کی قسمت بن چکی ہے علماء و دانشوروں نے بعض علاقوں میں اس جانب پیش قدمی بھی کی ہے تو بد قسمتی سے تمام کوششیں ایک ہی مقام پر مرکوز ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس جانب خصوصی توجہ دی جائے اور اس احساس کے ساتھ اقدام کیا جائے کہ مسلم لڑکیاں اپنے سماج کا نصف حصہ ہی نہیں، وہ نئی نسل کی تربیت گاہ اور اولین درسگاہ بھی ہوتی ہیں۔ انکی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نصف حصہ کو مفلوج اور پہلی درسگاہ کو معطل کر دینے کے ہم معنی ہے۔ بعض حساس سرپرستوں کو بچیوں کی تعلیم و تربیت کا احساس ہے بھی تو وہ دینی غیرت کے سبب مخلوط نظام تعلیم (CO EDUCATION SYSTEM) کے اثرات بد سے فطری طور پر خائف ہیں اور ان کے سامنے اس کا کوئی متبادل نہیں۔

آج ہماری ضرورت ایسے اداروں کی متقاضی ہے جہاں جدید و قدیم علوم کا معقول امتزاج ہو۔ اس لئے کہ اسکول و کیمپس کے طلبہ عموماً قرآنی تعلیم سے نابلد ہوتے ہیں، اقتصادیات و سیاسیات کے ماہرین بھی اسلامی اصولوں نا آشنا ہوتے ہیں دوسری طرف مدارس عربیہ کے فارغین عصری علوم سے بالکل کورے اور جدید حالات و تقاضوں سے بڑی حد تک ناواقف ہوتے ہیں۔

مسئلہ تعلیم کی وسعت اور اہمیت کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اس کا حل کافی وقت طلب معلوم ہوتا ہے۔ تاہم درج ذیل امور مسئلہ کے حل کے طور پر زیر عمل لائے جا سکتے ہیں۔

(۱) جمعہ اور دیگر خطبوں میں علم کی اہمیت پر وعظ و نصیحت کی جائے اور لوگوں کو عملاً اس کے لئے تیار کیا جائے اسی طرح امت میں تعلیمی بیداری کے لئے باضابطہ مہم چلائی جا سکتی ہے۔

(۲) غریب اور نادار طلبہ کے لئے اسکالرشپ کا انتظام، ان کے لئے کتابوں کا مناسب بندوبست اور فنڈ کا انتظام

(۳) جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو ان اضلاع میں کم از کم ایک اچھا تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے جو جدید و قدیم علوم کا سنگم ہو۔

(۴) اعلیٰ تعلیم کے لئے ملکی سطح پر کم از کم دو ایسے ہی مدارس قائم کئے جائیں۔

(۵) بچیوں کی تعلیم کے لئے ہر انچل میں ثانوی سطح کے اور ملکی سطح پر اعلیٰ تعلیم کے لئے دو مدارس قائم کئے جائیں

(۶) رائج نصاب تعلیم پر نظر ثانی کی جائے اور اس میں مناسب ترمیم اور تجدید کیجائے اس سلسلے میں مختلف اداروں خصوصاً برصغیر کے مشہور اداروں کے نصاب تعلیم کا مطالعہ کیا جائے۔

(۷) اساتذہ کرام کی تنخواہ مناسب اور بروقت دی جائے، اس کے لئے ذمہ داران مدرسہ سوچیں اور اقدام کریں، علاقہ کے اہل خیر حضرات سے ماہانہ تعاون اور بچوں سے تعلیمی فیس لی جائے جس سے نادار بچے مستثنیٰ ہوں۔

(۸) سال میں کم از کم ایک بار اساتذہ کے تربیتی اسکول کا اہتمام کیا جائے جس میں ماہر تعلیم کو دعوت دیجائے اور تمام اداروں کے اساتذہ ایک ایک دو دو کرکے باری باری اس میں شریک ہوں۔

(۹) دور دراز کے پہاڑی علاقوں میں اساتذہ بھیجے جائیں، وہاں ابتدائی تعلیم کا نظم ہو، مساجد اور مکاتب ضرور قائم کئے جائیں اور ان علاقوں کے بچوں کو تعلیم کے لئے نشیب کے اداروں میں بھیجا جائے۔

(۱۰) ہر علاقہ میں حسب ضرورت ایسی لائبریریاں قائم کی جائیں جہاں دینی کتابوں کے علاوہ اخبارات و رسائل بھی ہوں تاکہ ان سے جدید قدیم اداروں کے طلبہ اور دوسرے لوگ استفادہ کر سکیں۔

(۱۱) ان تجاویز کو عملی شکل دینے کے لئے ایک مرکزی تعلیمی بورڈ ہونا چاہئے۔ اس کی



شاخیں ہر ضلع میں قائم ہوں۔

## معاشی مسئلہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا غائر مطالعہ اس پہلو کو اجاگر کرتا ہے کہ انسانی زندگی میں گو کہ دولت کو اولیت حاصل نہیں ہے اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کے لئے انسان ہر وادی سے گذر جائے۔ تاہم رزق حلال کے حصول کو آپ نے فرض قرار دیا ہے، دعوتی مشاغل کے باوجود آپ نے اس کے لئے ایک حد تک تگ و دو کی ہے۔ اور ہمارے لئے عملی نمونہ چھوڑا تاکہ ہم بے اعتدالی مذہب تنے لگ جائیں، نہ تو دنیا کے ہو کر رہ جائیں اور نہ ہی رہبانیت اختیار کرلیں قرآن حکیم نے رزق حلال کو فضل اللہ سے تعبیر کیا ہے ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا | اور جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین |
| فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ | میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا |

(الجمعۃ/۱۰)

سیرت صحابہ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ انہوں نے جائز طریقہ تجارت کو اختیار کرکے دولت حاصل کی اور اللہ کے راہ میں بے دریغ خرچ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مومن کو قابل رشک بتایا ہے جس کو اللہ نے مال دیا اور اچھے راستہ میں خرچ کرنے میں لگا دیا۔

معاشی مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے اس کے سارے اصول و ضوابط متعین کر دیئے ہیں۔ ایسا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا جس کی بابت رہنمائی موجود نہ ہو۔ ایسے تمام ذرائع کو حرام اور باطل ٹھہرایا ہے جو کسی نہ کسی پہلو سے انسانیت کے لئے نقصان دہ ہوں خواہ بظاہر وہ مفید ہی کیوں نہ نظر آ رہے ہوں۔ تجارت کے اسلامی اصول کی روشنی میں جو چیزیں ممنوع اور حرام ہیں ان کے عقلی دلائل بھی موجود ہیں۔ اب آیئے دیکھیں کہ ہمارا معاشی مسئلہ کیا ہے۔

امت مسلمہ نیپال کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس کی نوے فیصد سے زیادہ آبادی غربت و افلاس سے دوچار ہے جس کا لازمی نتیجہ جہالت ہے اور جہالت ہر قوم کے

زوال کی جڑ ہے۔ اسں کے سبب پر غور کرنے سے درج ذیل وجوہات سمجھ میں آتی ہیں۔

(۱) دور دراز علاقوں میں رہائش جہاں ضروریات زندگی نایاب ہوں سڑکوں اور تجارتی منڈیوں سے ان کا رشتہ پوری طرح کٹا ہوا ہوتا ہے۔

(۲) محدود کھیتی پر انحصار: ایسے مسلم کسان نسبتاً زیادہ ہیں جو قدیم طرز پر محدود کھیتی پر انحصار کرتے ہیں۔ اور اسں کے لئے بھی جدید وسائل اور سہولیات میسر نہیں ہیں۔

(۳) سودی نظام تجارت: بھی اسں کا ایک اہم سبب ہے۔ بہتیرے مسلم سود کی لعنت اور سودی لین دین سے بچنے کی خاطر اسں جانب نہیں بڑھتے۔

(۴) سرمایہ کاری (INVEST MENT) کے مواقع کی شدید کمی پائی جاتی ہے جس کے سبب تجارت میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔

(۵) فنی مہارت کی کمی: جدید تکنیکی دور میں بھی مسلمانوں میں اسں کا رجحان بہت کم پایا جاتا ہے۔ اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فنی مہارت حاصل کرنے کا رجحان نہ کے برابر ہے۔ تعلیم یافتہ افراد بھی اسں سے صرف نظر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

(۶) مہنگائی اور اخراجات میں اضافہ کے باوجود پیداوار کی قیمت میں اضافہ بہت کم ہے۔

(۷) تقسیم کار کے اصول پر عمل کرنے کے بجائے ایک خاندان کے متعدد افراد صرف کھیتی میں لگے ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ اسں کو کر سکتے تھے۔ دیگر باقی افراد خانہ دوسرے کام کر سکتے تھے۔

اسں طرح کے اور متعدد اسباب ہو سکتے ہیں جو معاشی مسئلہ کے حل میں سد راہ ہیں۔ معاشی مسئلہ کا حل ڈھونڈتے ہوئے یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ امت مسلمہ کے مجموعی مسائل کا یہ اہم حصہ ہے اور اسں کو تمام مسائل سے الگ کر کے نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ حل کرنا ہوگا۔ اسں کے ساتھ ہی ہمارا اصل مقصد بھی سامنے رہے تاکہ ہم حل ڈھونڈتے ہوئے دوسری قوموں کی طرح محض معاش کے لئے ہو کر نہ رہ جائیں۔

درج ذیل امور اسں مسئلہ کے حل میں معاون ہو سکتے ہیں۔



۱- لوگوں کو تجارت کی طرف رغبت دلائی جائے اور اسں کے لئے مواقع فراہم کئے جائیں۔

۱- فنی مہارت کے مراکز (SKILL DEVELOPMENT TRAINING CENTRE) جگہ جگہ کھولے جائیں۔ اور اسکی ابتدا مقامی طور پر کی جائے۔

۲- روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ گھریلو صنعت پر زور دیا جائے۔

۴- مرکزی بیت المال کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں سے بغرض تجارت ضرورت مندوں کو غیر سودی قرض فراہم کیا جائے۔

۵- اضافی آمدنی کے لئے خالی اوقات میں خواتین کو سوئی کڑھائی وغیرہ جیسے کاموں میں لگایا جائے۔

۶- مشترکہ خاندانی نظام کی جگہ اسلامی خاندانی نظام کو اچھے انداز میں رائج کیا جائے۔

## انتشار وافتراق

امت مسلمہ کا ایک بہت بڑا مسئلہ باہمی انتشار وافتراق ہے جس نے اسں امت وسط کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔

انتشار ہر طرح کی کمزوری کا سبب ہے جس کا نتیجہ بالآخر ہلاکت وموت ہے اور اتحاد طاقت وزندگی کا زینہ ہے۔ اب تو انتشار وافتراق کا دائرہ اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ اسں سے ہمارے مدارس مکاتب دارالعلوم اور مساجد تک محفوظ نہیں ہیں۔ ہمارے ذاتی اختلافات کا پہلا اثر مسجدوں اور مدرسوں پر پڑتا ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اسں نے مسلمانوں کو اتحاد کی جتنی اہم بنیاد فراہم کر دی ہے کہ دنیا کی کسی قوم اور نظریہ کے پاسں نہیں ہے۔ ان کے اتحاد کی بظاہر کوئی بنیاد ہے بھی تو کھوکھلی ہے جس کی جڑیں کمزور ہیں، اسی پر باطل کسی طرح متحد ہو کر اپنے دشمنوں سے نمٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اہل حق کے انتشار کی صورت میں وہ کامیاب ہوتا ہے۔ اگر اہل حق باہم متحد ہوں تو کہیں سے کوئی کمزوری داخل نہیں ہو سکتی۔ دین کی جزئیات میں اختلاف رائے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور محدثین کرام کے درمیان بھی رہا ہے لیکن وہ ان اختلافات کے باوجود ایک

دوسرے کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے اور ان کو انتشار کا سبب بننے کا موقع نہیں دیتے تھے۔ اللہ کی کتاب قرآن حکیم اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت آج بھی ہمارے درمیان صحیح شکل میں موجود ہیں۔ باہمی اختلافات کی صورت میں حکم ہے کہ جب تم کسی مسئلہ میں متنازع ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹادو۔ ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول (نساء ۵۹) | پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے |

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا۔

| | |
|---|---|
| ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ۔ | میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں جبتک ان سے چمٹے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ وہ کتاب اللہ اور اسکے رسول کی سنت ہے۔ |

ان تمام واضح ہدایات اور ٹھوس بنیادوں کے باوجود امت مسلمہ کا جائزہ لیجئے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے جس امت کی تعریف بنیان مرصوص کے الفاظ سے کی گئی ہے مختلف انداز میں ٹکڑوں میں پراگندہ اور منتشر ہے۔ کہیں مقلد وغیر مقلد کا جھگڑا ہے تو کہیں دیوبندیت اور بریلویت کا ہنگامہ، کہیں نسلی وعلاقائی تعصب ہے تو کہیں برادری اور ذات کی تقسیم، کہیں دینی جماعتی گروہ بندی ہے تو کہیں سیاسی دھڑے بندی، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مسلمان کے نام سے موسوم کیا ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ | اسی نے تمہارا نام اس سے پہلے اور اس میں مسلمان رکھا تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہی دو۔ |

(الحج ۷۸)

بدقسمتی سے امت مسلمہ نے اپنی اصل شناخت یعنی مسلمانیت کھودی ہے اور اس کی جگہ دیگر شناختوں ( identities ) نے لے لی جس میں علماء



دانشور اور جہلاء وطلبہ سب شریک ہیں۔

امت مسلمہ کے زوال کی روداد پڑھ ڈالئے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہماری فرقہ بندیوں، اختلافات مسلک کی شدت نے سب سے زیادہ نقصان پہونچایا ہے۔ اور خلق خدا کی ایک بڑی تعداد کو دولت اسلام سے محروم کردیا ہے۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایک ہی کعبہ وقبلہ کی طرف رخ کرنے والے ایک ہی خدا ورسول پر ایمان رکھنے والے اور ایک ہی قرآن وسنت کی اتباع کرنے والے تمام باہمی اختلافات کو بھلا کر ایک اور بس ایک ہوجائیں!!؟

اس مسئلہ کے حل کے لئے درج ذیل صورتوں پر عمل کرنا ہوگا۔

۱۔ مختلف ذات اور برادری اور مختلف مسلک کے ماننے والے آپس میں شادی بیاہ کے ذریعہ تعلقات کو مستحکم کریں۔

۲۔ گفتگو اور تقریر وتحریر میں فروعی مسائل کو چھیڑ کر ایک دوسرے پر کیچڑ نہ اچھالیں اور اس کے بجائے متفق علیہا امور پر زیادہ سے زیادہ زور صرف کریں۔

۳۔ مدارس اور مساجد کو مسلکی رنگ سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں اور ایسا نصاب تعلیم رائج کریں جسمیں ہر مسلک کی رعایت کی گئی ہو۔

۴۔ کوئی جماعت دوسری جماعت پر کیچڑ نہ اچھالے اور تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان یعنی نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں عدم تعاون کی حکمت عملی اختیار کریں۔

۵۔ متفق علیہا امور میں ایک دوسرے کا تعاون کریں۔ اور دوسروں کی خوبیوں کا وسیع القلبی سے اعتراف کریں۔

۶۔ علماء اپنے زیر اثر عوام کو دوسری جماعت کے خلاف مشتعل نہ کریں۔

۷۔ حسن ظن سے کام لیں اور سنی سنائی باتوں پر یقین نہ کریں۔

## قادیانیت

اٹھارہویں صدی کی آخری دہائی میں مسلمانوں کی داخلی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اغیار کے اشاروں پر مختلف فتنوں نے سر اٹھایا۔

ان میں قادیانیت سب سے خطرناک ہے اور اس کے پھیلنے میں کچھ ہمارے عقیدہ کی کمزوری اور کچھ جہالت کا ہاتھ ہے پچھلے چند سالوں سے ہمارے ملک نیپال میں بھی اس فرقہ نے زور پکڑنا شروع کر دیا ہے، گو کہ اس کا حلقہ اثر کم ہے تاہم دور دراز کے دیہی علاقوں میں بطور خاص اور شہری علاقوں میں بھی کچھ لوگ لالچ اور جہالت کے سبب اس کے دام میں آجاتے ہیں یہ ایک نہایت سنگین مسئلہ ہے جس کے حل کے لئے علمائے کرام اور زعماء کو سر جوڑ کر سوچنا چاہئے اور اس کے انسداد کے لئے اجتماعی شکل میں اقدام کرنا چاہئے۔

## سیاسی مسئلہ

دین اسلام کا مکمل دین ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ انسانی زندگی کے جملہ امور اور تمام گوشوں سے متعلق رہنمائی فراہم کرے۔ چنانچہ کتاب و سنت کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام نے سیاسی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ البتہ یہ فرق ہمارے ذہنوں میں اچھی طرح اجاگر رہنا چاہئے کہ اسلام نے سیاست کا جو تصور دیا ہے وہ موجودہ رائج گندی، اوچھی اور اتھلی نظام سیاست سے نہایت ستھرا، بلند اور بابرکت ہے جو سماج کے امن و سکون کو اولیت دیتا، اس کو کچھ اصول (PRINCIPLES) کا پابند کرتا اور ایک بالاتر ہستی (SUPRIMEPOWER) کا تابع بناتا ہے جس کی بنا پر اسلامی سیاست ہر طرح کی افراط و تفریط سے پاک اور ذاتی مفاد سے مبرا ہوتی ہے۔ اور یہی وہ شان امتیاز ہے جو دونوں کے درمیان حد فاصل ہے اس اصولی بحث کو سامنے رکھتے ہوئے غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہمارا موقف تو یہی ہونا چاہئے کہ موجودہ سیاست سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہو کسی طرح اپنے آپ کو اس سے آلودہ نہ کریں۔ اصولی تقاضا بھی یہی ہے اور بہتر شکل بھی۔ ایک رائے یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عام مسلمان بحیثیت نیپال کے شہری کے اس میں حصہ لیں اور اس کے ذریعہ ملک و قوم کی خدمت کریں لیکن اس عملی اقدام سے پہلے ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہماری نسبت ایک داعی



گروہ سے تعلق کی بنا پر اس ابراہیمؑ سے ہے جس نے اپنے دین کی سربلندی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور ہر قسم کی قربانی بے دریغ پیش کی جہاں تک نیپال کا تعلق ہے تو ہماری حیثیت یہاں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔ ہمیں ایسا لائحہ عمل اپنانا ہوگا جس سے ہمارے تشخص کا تحفظ بھی ممکن ہو اور ہم اپنا فرض منصبی بھی ادا کرتے رہنے کے لائق رہیں۔ اس طور سے سیاست میں بھی ہمارا خاصا اثر ہوگا اور ہم باہمی انتشار سے بچ سکیں گے جو ہمارا سب سے سنگین مسئلہ ہے۔

اس امر واقعہ سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا کہ موجودہ سیاسی بہاؤ نے مسلم معاشرہ کو اس طرح منتشر کر دیا ہے کہ اتحاد کی کوئی عملی شکل ہی دکھائی دیتی ہے۔ شہر اور قصبہ، گاؤں دیہات بلکہ بسا اوقات ایک ہی گھر میں مختلف الخیال افراد نے اپنی پسند کی پارٹیوں سے وابستگی اختیار کر رکھی ہے۔ جبکہ قرآن حکیم نے اتحاد و اجتماعیت کو امت مسلمہ کا طرۂ امتیاز قرار دیا ہے۔ سیاست کوئی ایسی چیز نہیں جس کے لئے ہم اپنی اجتماعیت کا سودا کر لیں اور اس طرح اصل سرمایہ ہی کھو دیں۔ پھر یہ حقیقت ہے کہ اس اہم اور بیش بہا سرمایہ کو کھو کر بھی اس کے ذریعہ قوم و ملت کے لئے کچھ حاصل کر سکیں اپنے ملک کی بھی مثال آپ کے سامنے ہے اور پڑوسی ملک کی مثال بھی لے سکتے ہیں۔ جہاں کی مجموعی آبادی میں مسلمانوں کا معقول تناسب ہوتے اور آزادی کے ۴۵ سال گذر جانے کے باوجود پرسنل لا اور عبادت گاہوں کا تحفظ ممکن نہ ہو سکا۔ دوسری طرف مسلمانوں کا کوئی سیاسی وزن نہیں ہے، صالح قیادت کا فقدان ہے، عوام و خواص اور زعماء دونوں ہی سیاسی شعور سے عاری ہیں اور اب تک سیاسی پروگرام اور اہداف کی تعیین نہیں ہو سکی ہے۔ بعض صاحب نظر انتخابی سیاست کو اسلامی تبدیلی کا ایک وسیلہ تصور کرتے ہیں حالانکہ الجزائر کے حادثہ کے بعد اب یہ بات دلیل کی محتاج نہیں رہی کہ اس میں خسران کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ ہاں اگر ہم اپنی رائے استعمال کرنا چاہیں تو اس کا آپ کو حق ہے لیکن آپ کی رائے آپکے پاس

ایسی امانت ہے، اس کو خاموشی کے ساتھ ایسے افراد کے حق میں استعمال کیا جاسکتا ہے جو نسبتاً اسلام اور مسلمانوں کے حق میں نرم گوشہ رکھتے ہوں، لیکن اس کے لئے اپنی صفوں میں انتشار کسی شکل میں جائز نہیں۔

جہاں تک موجودہ سیاسی نظام کی حقیقت کا تعلق ہے تو یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اس کی بنیاد حقوق اللہ میں شرک اور خدا بیزاری پر قائم ہے جو تمام بدامنیوں اور ہر قسم کے خلفشار کی جڑ ہے آخر اسی نے تو ہماری وفاداری تک کو تقسیم کرکے رکھ دیا ہے۔ جس کی مستحق صرف اللہ واحد کی ذات ہے

اب ایسی نازک صورت حال میں آپ بھی میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ اپنی محدود صلاحیتوں اور محدود افراد کو ان بیجا مشغولیتوں میں ضائع کرنے کے بجائے تعمیری اور دیرپا کاموں میں لگانا چاہئیے اور سیاست کے ذریعہ قوت حاصل کرنے کے بجائے قوت بغیر سیاست

کے اصول کا تجربہ کرکے دیکھنا چاہئیے۔

میری مراد ایسے اداروں اور درس گاہوں سے ہے جہاں مسلم بچوں اور بچیوں کی مناسب تعلیم وتربیت ہوسکے۔ جہاں جدید وقدیم دونوں تعلیم کا بہتر نظم ہو، جہاں سے ایک طرف علوم قرآن وحدیث کے ماہرین تیار ہوسکیں تو دوسری طرف علوم عصریہ کے ماہرین کی ٹیم نکل کر دین وملت کی خدمت کرسکے اس طرح ہم اپنی نئی نسل کو خطرناک اور تاریک مستقبل سے بچا بھی سکیں گے اور علمی دنیا میں ہمارا ایک مقام بھی ہوگا۔ جو آگے چل کر آج کے سیاسی وزن سے بہت بھاری ہوگا۔ اور شخصی مفادات علم سے کائنات تک مسخر کی جاسکتی ہے جبکہ سیاست سے چند عارضی مقاصد اور شخصی مفادات کے حصول کے سوا کچھ ممکن نہیں۔ اسی طرح خدمت خلق، ہاسپٹلوں کا قیام بھی اس میں معاون ہوسکتا ہے۔ خدمت کے ذریعہ ہم وطنوں کے دلوں کو بھی جیت سکتے ہیں اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کے بھی مستحق قرار پائیں گے۔ ان تمام چیزوں



کے ساتھ اگر ایک ادارہ بھی ہو جو صالح اور باشعور افراد پر مشتمل ہو، جو ملت کے اہداف کا تعین کرے، اور صالح اور متقی علماء اس کے ذریعہ افراد سازی کا کام کریں تو ہم صحیح رخ پر پیش قدمی کرسکتے ہیں ——— اس کے ذریعہ ملک میں ہماری ایک وقعت بھی ہوگی اور ہم دعوت واصلاح کے فریضہ کو بھی انجام دے سکیں گے۔ جو ہمارا ہدف اور مقصد تخلیق ہے۔

## معاشرتی وخانگی مسائل

امت مسلمہ کے ایک داعی گروہ ہونے کی حیثیت سے ان مسائل کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے لیکن اسے المیہ کہیئے کہ ان مسائل کی گتھیاں بہت بری طرح الجھی ہوئی ہیں۔ آج کا مسلم معاشرہ بے بنیاد اور غیر اسلامی رسم ورواج کے بندھنوں میں اس قدر جکڑا ہوا ہے کہ بظاہر اس سے نکلنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ شادی بیاہ کا معاملہ سنگین ہوتا جارہا ہے۔ جس سے عقیدہ تک پر ضرب پڑتی ہے۔ لین دین اور تلک، جہیز جس کے بارے میں یہاں تک کہتے سنا گیا ہے کہ تلک تو حرام ہے مگر جہیز سنت ہے، (العیاذ باللہ) اب تو ہماری شادیوں میں ناچ گانے اور رقص کا بھی فخریہ اہتمام کیا جانے لگا ہے۔

دوسری طرف (FAMILY PLANING) کے مہذب نام سے مسلمانوں میں ضبط ولادت کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، پڑھے لکھے مسلم سماج میں یہ بات عام ہوتی چلی جارہی ہے، چھوٹا خاندان، سکھی خاندان کا خواب ان کو بھی نظر آنے لگا ہے۔ جبکہ قرآن حکیم نے صاف لفظوں میں اس کو حرام ٹھہراتے ہوئے فرمایا۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأ کبیرا
(بنی اسرائیل/۳۱)

اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے۔ ہم رزق دیتے ہیں انکو اور تم کو بھی۔ انکو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

ادھر دیہی علاقوں اور پہاڑوں میں خصوصاً غیر مسلموں کے تیوہاروں کا اہتمام کیا جاتا ہے، خواتین میں بطور خاص غیر اسلامی طرز رہائش و زیبائش مثلاً سندور اور ٹیکہ کا استعمال اور سر کے بال کتروانا اب عام ہوتا جا رہا ہے۔

اونچ نیچ اور ذات پات کا تصور بھی ہمارے سماج کا حصہ بن چکا ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کا احساس بھی ختم ہے۔ پردہ کا چلن اٹھ چکا ہے عورتوں میں نیم عریاں لباس کے استعمال کے علاوہ حسن نمائی کا شوق بڑھ رہا ہے۔ اور اب تو مرد بھی اپنا ستر کھولنے میں شرم محسوس نہیں کرتے اور ہاف پینٹ کا استعمال سر عام کرتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے معاشرہ کی ایک اور خرابی جو غیر اسلامی تہذیب کا نتیجہ ہے وہ مشترکہ خاندانی نظام ہے، اسلام اس کے بجائے علیحدہ خاندانی نظام کو پسند کرتا اور اسی کی تاکید کرتا ہے یہ غیر اسلامی تہذیب کا ہی اثر ہے کہ ایک سے زائد شادی کو بھی سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ شرعی عدالتیں جو ہمارے پرسنل لا کا تحفظ کر سکتی تھیں وہ مفقود ہیں، ہم چھوٹے چھوٹے معاملات اور باہمی تنازعات کے فیصلہ کے لئے بلا تامل ایوان باطل کی چوکھٹ پر ہی حاضری دیتے ہیں حالانکہ شرعی عدالتوں کا قیام نہیں بہت حد تک اس لعنت سے بچا کر اسلامی اصولوں کے مطابق فیصلہ کرانے میں ممد و معاون ہو سکتا ہے۔

حرام کاری اور حرام خوری، سود، جوا اور سٹہ، زناکاری، شراب نوشی چوری اور بے ایمانی اور یتیموں کا مال ہڑپ کر لینا وغیرہ ساری بیماریاں ہمارے اندر پائی جاتی ہیں۔ وراثت کی اسلامی تقسیم کا رواج ختم ہو چکا ہے اور عورتوں غیر مساویانہ سلوک کے تحت وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے، اور ان کی تعلیم و تربیت پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

**اصلاح کی تدابیر** ● جمعہ کے خطبوں، تقریروں اور تحریروں میں غیر اسلامی



رسوم و رواج کی شناعت بیان کی جائے اور بتایا جائے کہ یہ چیزیں ایمان و اخلاق کو برباد کرنے والی ہیں، جن سے معاشرہ کو پاک کرنا ضروری ہے۔

- اس کے لئے باضابطہ مہم چلائی جائے۔
- غلط رسم و رواج کو ٹھکرا کر اسلامی معاشرت کو عملی طور پر اپنایا جائے اور باطل رسم و رواج میں کسی طرح کا کوئی تعاون نہ کیا جائے خواہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔
- جگہ جگہ علماء کی شرعی کمیٹیاں قائم کی جائیں جہاں سے شرعی مسائل حل ہو سکیں
- خاندانی نظام کے اسلامی تصور کو اجاگر کیا جائے اور اس کی بہتر عملی شکل نکالی جائے

واضح رہے کہ ہم دراصل ایک داعی امت ہیں۔ ہمارا کام اصلاً اسلام کی دعوت ہے اور یہی ہمارا فرض منصبی ہے۔ اسی کے ذریعہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا بقاء و فنا دونوں اسی دعوت کے وجود و عدم وجود سے وابستہ ہے۔ ہمیں ہر حال میں اپنا یہ کام نہایت حکمت اور تدبیر کے ساتھ جاری رکھنا ہے۔ ہمارے علمائے دین عمومی طور پر عامۃ الناس میں، ہمارے ڈاکٹرس اپنے حلقہ میں، ہمارے انجینئرز اپنے حلقہ میں، ہمارے وکلاء اپنے حلقے میں، سیاسی شعور رکھنے والے اپنے حلقے میں اپنے طور پر یہ کام انجام دیں، اس میں ایک دوسرے کا تعاون کریں اور اس بات کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ وہ مسلمان ہیں اور ان کا تعلق داعی گروہ سے ہے ـــــ اس طرح جب اجتماعی طور پر ہر سمت میں کوشش ہوگی تو ان شاء اللہ ہمارے مسائل بھی حل ہوں گے اور ہم دنیا و آخرت کی کامیابی سے بھی ہمکنار ہوں گے۔

لکھ رہا ہوں جنوں میں کیا کیا

ذواللسان نقوی

# یہ بھی اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

صبح آنکھ ملتے ہوئے جو میں اٹھا تو بیڈ ٹی سے پہلے میری نظر اُن دونوں لفافوں پر پڑی کہ جن کے لانے والوں نے دروازہ اندر سے بند ہونے کی بنا پر دروازے کی ریخ ہی سے انہیں سرکانے میں حسن وخوبی اپنی ذمہ داری ادا فرمائی تھی ــــــ سفید رنگ کا لفافہ سہما ہوا کونے میں پڑا تھا جب کہ گلابی رنگ کا لفافہ فرش کے بیچوں بیچ پڑا مسکرا رہا تھا ــــــ میں دونوں کو سمیٹتا ہوا واپس پھر اپنی جگہ آبیٹھا ــــــ میں انہیں چاک کرنے ہی والا تھا کہ اپنے چہرے پر میں نے شعلے کی لپٹ محسوس کی ــــــ گھبراہٹ میں چونک کر جو نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ محترمہ کھڑی مجھے گھور رہی ہیں ــــــ انکی نظریں مجھے ہڈیوں میں اترتی محسوس ہوئیں ــــــ چھوٹتے ہی بولیں "کب سے چائے پڑی ٹھنڈی ہو رہی ہے ـ ـ آپ تو دعوت ناموں کے دلدادہ ہیں، مجھے یقین ہے، ان خطوں میں دعوت ونوید کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا ــــــ مگر نوٹ کر لیجیئے جو گھر کی چیزیں ٹھکراتا ہے اسے باہر بھی بھوکا رہنا پڑتا ہے" ــــــ اور پھر بے ساختہ میری انگلیاں چائے کی پیالی میں الجھ گئیں ــــــ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا محترمہ واپسی کیلئے مڑ رہی تھیں اور ان کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی ــــــ اہلیہ کی جانب سے اطمینان کر لینے کے بعد میں نے سفید رنگ کا لفافہ چاک کر ڈالا ــــــ یہ یقینًا ایک دعوت نامہ تھا۔ بھیجنے والے سید فردوسی رکن جماعت اسلامی تھے۔ انہوں نے اپنی جماعت سے پابندی اٹھنے کی خوشی میں دوپہر کو ایک پر تکلف ظہرانے کا اہتمام کر رکھا تھا ــــــ دوسرا لفافہ صوفی منقاد کا تھا۔ انہوں نے وقت کے ایک اہم اور نازک موضوع پر گفت وشنید کے لئے ماہرین علم



وفن کو نوت رکھا تھا ــــــ وقت نو بجے شام کا تھا، عنوان تھا "جماعت اسلامی، پابندی کے پندرہ ماہ بحث وتنقید کے آئینے میں" ــــــ لطف کی بات یہ تھی کہ "بحث وتنقید" کے پروگرام کے بعد زبانِ عاشقانِ اولیاء کی قوالی کا ہوش رُبا اہتمام بھی تھا ــــــ "زبانِ زوجہ" نے "راشن ختم" کا الٹی میٹم کل شام ہی داغ مارا تھا۔ میں اسے "توکل علی اللہ" کی فضیلت سناتا رہا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس نے کہا توکل سے پہلے کوشش کرنا بھی ضروری ہے ــــــ اور میرا کیا میں تو کسی طرح جی لوں گی آپ اپنا سوچیے ــــــ اس خاص پس منظر میں دونوں دعوت ناموں کا نزول توکل کی برکت کے علاوہ اور کیا تھا ــــــ میری زبان گنگ ہو گئی مگر زبان پر یہ شعر جاری رہا ؎

رزق خود اڑ کر پہنچتا ہے جو تقدیر کا ہو ـــ پر دئے ہیں میرے رازق نے ہر دانے کو

سید فردوسی کا گھر کیا تھا گویا کمبھ کا میلا تھا۔ جدھر دیکھو ادھر آدمی ہی آدمی عوام الناس کے علاوہ وکلاء، اطباء اور حکومت کے حکام وقت بھی مدعو تھے سبھوں کو گویا زبان حال سے یہ اعتراف تھا کہ جماعت پر لگائی گئی پابندی سراسر غلط تھی ــــــ سید فردوسی نے نہ جانے کیسے قاضی شہر صوفی نوشتہ تقدیر اجمیری کو بھی پھانس رکھا تھا ــــــ ظہرانے کی نماز قاضی موصوف ہی نے پڑھائی ــــــ قاضی اجمیری نے نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دئے انہوں نے کچھ اس انداز سے دعا مانگی ــــــ "یا رب العالمین تو پابندی لگانے والوں کو لولا کر دے ــــــ اے اللہ تو پابندی لگانے والوں کو لنگڑا کر دے، اے اللہ تو انہیں کانا کر دے، اے رب العزت تو انہیں اندھا کر دے، اے اللہ تو پابندی لگانے والوں کو بہرا کر دے ــــــ یا ارحم الراحمین تو انہیں بے اولاد کر دے یا الٰہ العالمین انکی عورتوں کو بیوہ کر دے" ــــــ سید فردوسی رہ رہ کر قاضی اجمیری کو مخصوص انداز میں آنکھیں مار رہے تھے، مگر وہ جاری رہے: "اے اللہ تو پابندی لگانے والوں کو کوڑھی بنا دے، اے اللہ تو انہیں اپاہج کر دے، اے رب العزت تو پابندی کا

لگانے والوں کے جسموں کو بری طرح زخمی کر دے اور ان میں کیڑے پال دے، اے مولیٰ ......"

اب سید فردوسی کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ وہ اٹھے انہوں نے کہا "قاضی صاحب! ہمارا شیوہ تو یہ ہے کہ جو ہمارے راستے میں کانٹے بچھائے ہم اس کی راہ میں پھول ڈالیں۔ اس طرح کی دعائیں رہنے دیجئے" —— یہ سنتے ہی قاضی اجمیری نے "برحمتک یا ارحم الراحمین" کا نعرہ مارا جس کا جواب عوام نے گرج کر "آمین یا رب العالمین" سے دیا۔

اب دسترخوان کی باری تھی۔ سید فردوسی اپنی تقریروں میں موٹا جھوٹا پہننے اور روکھا سوکھا کھانے کی باتیں تو خوب کرتے ہیں مگر جناب، شاید ہی کوئی نعمت ایسی بچی ہو جو وہاں نہ رہی ہو۔ گائے اور بکرے کے گوشت سے ڈونگے بوجھل تھے، مرغ مسلم کی محفل اپنا رنگ الگ جمائے ہوئے تھی، میٹھے کے نام پر نوع بنوع آئٹمس دلوں کو مسحور کئے دے رہے تھے، کوکو کولا کی بوتلوں کی کھڑکھڑاہٹ عجیب سما پیدا کر رہی تھی، پھلوں کی پوری منڈی ہی بنفس نفیس گویا اٹھ کر وہاں چلی آئی تھی، بیڑی اور سگریٹ کا دھواں "آسمان اک اور زیر آسماں" کا منظر پیش کر رہا تھا، پان اور مسالے کا بازار بھی کافی گرم تھا، چائے اور کافی کے رسیا اپنی مجلسیں الگ جمائے ہوئے تھے —— اس بیچ سید فردوسی نہایت فخر سے مسکرا مسکرا کر سگریٹ کے کش پر کش کھینچے جا رہے تھے —— کہ اچانک مرغ مسلم کی میزوں کی جانب ایک شور اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہنگاموں میں تبدیل ہو گیا —— سید فردوسی آندھی کی طرح وہاں پہنچے مگر وہ سوائے اس کے اور کچھ نہ سمجھ سکے کہ صوفی قندیل نیچے ہیں اور مولوی ہدہد ان کے سینے پر براجمان —— جبکہ دور سے بیٹھا میں یہ ہنگامہ بڑی دیر سے دیکھ رہا تھا —— اس کی ابتدا اسی وقت سے ہوئی تھی جب صوفی قندیل اور مولوی ہدہد سوکھے سوکھے مرغ مسلم اپنی اپنی لنگیوں میں سمیٹ سمیٹ کر باندھ رہے تھے اور ایک نوجوان وقفے وقفے سے انہیں روک رہا تھا —— اور بالآخر ایک لمحہ ایسا بھی آیا کہ ان دونوں نے بیک وقت ایک ہی مرغ پر جھپٹا مارا اور



پھر مرغ کی ٹانگوں کے بجائے انکی مٹھیوں میں ایک دوسرے کی داڑھیاں تھیں۔

صوفی منقار کی مجلس شام نو بجے شروع ہونی تھی —— اس سے قبل کھانے کا پروگرام تھا۔ صوفی تمکین، قاری تمکر، صوفی انکار علی اور مرزا آزمرد پہلے ہی سے براجمان ہوئے تھے —— صوفی قندیل اور مولوی ہدہد کو بھی کسی طرح منا کر لایا گیا —— صدر مجلس صوفی رمان الدین بغدادی کچھ تاخیر سے آئے جس کی وجہ سے پروگرام قدرے تاخیر سے شروع کرنا پڑا —— صوفی منقار نے ابتدا کی، انکی گفتگو کا لب لباب تھا کہ "بھائیو! بہت افسوس کے ساتھ ہم یہ عرض کر رہے ہیں کہ مردود جماعت اسلامی والوں کی ناپاک جماعت سے پابندی اٹھالی گئی ہے —— ہمیں اس کی مستقبل قریب میں کوئی توقع نہیں تھی، سپریم کورٹ نے یہ ناپاک قدم اٹھا کر ہمارے جذبات کا خون کیا ہے، لہٰذا معزز اکابرین! ہم آج اسی ناپاک جماعت کی پابندی کے پندرہ ماہ کا جائزہ لیں گے، اور یہ ثابت کریں گے کہ یہ جماعت اسلام دشمن جماعت ہے" —— معزز حضرات میں صدر مجلس کی اجازت سے سب سے پہلے دعوت سخن مرزا آزمرد کو دیتا ہوں۔

مرزا آزمرد کی گفتگو کا ماحصل تھا "حضرات! پابندی کی رسم بہت قدیم ہے اور اس کا ردعمل بھی بہت قدیم ہے یعنی کہ پابندی لگانے سے جذبات اور بھڑکتے ہیں اور لوگ پابندی کی خلاف ورزیاں خوب کرتے ہیں مثلاً حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو شجرہ کھانے سے روکا گیا تھا مگر انہوں نے کھا کر ہی دم لیا —— پابندی کی خلاف ورزی کرنا ایک فطری امر ہے —— میں اسے ایک اور مثال سے واضح کروں گا —— ایک گیانی لوگوں کو سونا بنانے کا نسخہ بتاتے تھے مگر اس کے ساتھ یہ پابندی لگاتے تھے کہ نسخہ کے استعمال کے وقت کوے کا خیال ذہن میں نہ آئے ورنہ سونا نہیں بنے گا —— اور پھر یہ دلچسپ واقعہ ہوتا رہا کہ جب بھی کوئی سونا بنانے بیٹھتا اس کے ذہن میں کوا ضرور آ کودتا —— پابندی ایسی چیز ہی ہے —— حضرات! اس کو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک عاشق کو اپنے معشوق سے محبت کی پینگیں بڑھانے سے اگر روکا جائے

اور اس پر پابندی لگائی جائے تو ٹھنڈی ہونے کے بجائے اس کی آتش عشق مزید اور بھڑک جاتی ہے۔ بقول کسے ؎

فاصلہ بڑھانے سے کیا ملا زمانے کو　　تب بھی آنا جانا تھا اب بھی آنا جانا ہے

مگر معزز حضرات! ان جماعت اسلامی والوں پر جیسے ہی پابندی لگی یہ اور ڈھیلے ہو گئے۔ جیسے یہ پابندی ہی کا انتظار کر رہے ہوں۔ جو کچھ کر رہے تھے وہ سب بھی چھوڑ پھینکا۔ اپنے جلسوں میں یہ چلاتے رہے کہ اللہ کے علاوہ ہم کسی سے نہیں ڈرتے حکومت تک سے نہیں ڈرتے مگر پابندی لگتے ہی انکی دُم پیروں کے اندر چلی گئی۔ ان نالائقوں نے فطری تقاضوں کو بھی پامال کر ڈالا اور گم صُم بیٹھے رہے۔"

مرزا زمرد کے بعد صوفی انکار علی کی باری تھی انہوں نے کہا "میں زیادہ کچھ نہیں بولوں گا مگر صرف اتنا عرض ہے کہ یہ مردود آج پابندی ہٹنے کا جشن منا رہے ہیں اور وہ وہ اسراف کر رہے ہیں کہ بیان سے باہر۔ صورت حرام سید فردوسی ہی کو دیکھ لیجئے ـــــ ارے ان پر پابندی کیا لگی یہ تو خود پابندی کا انتظار کر رہے تھے، انہیں گویا اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ملا۔ یہ سب عیار اور مکار ہیں۔"

صوفی انکار علی کے بعد صوفی نمکین کھڑے ہوئے۔ انکی گفتگو کا خلاصہ یہ تھا

"حضرات! میں نے وہ وقت دیکھا ہے جب ان پر پابندی لگی۔ یہ چوہوں کی طرح اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے ـــــ سید فردوسی خود پابندی لگتے ہی مارے ڈر کے نیپال بھاگ گیا تھا ـــــ حکیم عبادت پابندی لگتے ہی روپوش ہو گیا تھا۔ اس کا باپ اسے باہر کے حالات جا جا کر بتاتا۔ پورے ایک ماہ بعد اس نے جا کر ضمانت کروائی تھی ـــــ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جھوٹ بولنا سب سے بڑا گناہ ہے مگر جناب ـــــ میں نے اس دن دیکھ لیا ڈاکٹر حجازی کو ـــــ وہ گلی سے گذر رہا تھا، پولیس نے اسے آدبوچا، انہوں نے اس سے پوچھا تمہارا نام ڈاکٹر حجازی ہے؟ ـــــ اس نے صاف کہہ دیا، میرا نام ڈاکٹر حجازی نہیں بلکہ عبدالرحمٰن ہے ـــــ شیعوں کی طرح تقیہ ان کے نزدیک بھی مستحسن ہے بلکہ اندر ہی اندر یہ



مردود سب کے سب شیعہ ہی ہیں ـــــ خیراتی میاں کو کون نہیں جانتا، کافی متقی و پرہیزگار مانا جاتا ہے۔ ان مردود جماعت اسلامی والوں کا امیر مقامی ہے ـــــ پولیس اس کے گھر پہونچی، وہ باہر آیا تو پولیس نے پوچھا تمہارا نام خیراتی ہے؟ ـــــ اس نے کہا نہیں، میرا نام خیراتی نہیں ہے، بیٹھئے میں خیراتی کو بلا کر لاتا ہوں اور پھر وہ اپنے گھر کا پچھلا احاطہ پھلانگ کر بھاگ گیا۔ پولیس گھنٹوں گھر کے باہر بیٹھی رہی ـــــ یہ سب دھوکے باز اور جعلساز ہوتے ہیں۔ حکومت نے پتہ نہیں کیسے ان پر سے پابندی ہٹا دی؟"

سب سے آخر میں مولوی ہدہد کی باری تھی ـــــ انہوں نے کہا "حضرات! ساری باتیں تو آ ہی چکی ہیں ـــــ میں صرف ایک بات عرض کروں گا۔ سننے میں آیا ہے کہ ان لوگوں نے ایک فورم بنایا ہے کہ جس میں مومن، مسلم اور کافر، مشرک سب ایک ساتھ رہیں گے ـــــ اور دین غالب کریں گے ـــــ ارے میں تو کہتا ہوں کہ ان سبھوں کو دن دہاڑے گولی مار دینا جائز ہی نہیں عین ثواب کا کام ہے ـــــ بھائیو! میری اس بات پر آپ لوگ سنجیدگی سے غور کریں ـــــ مجھے صرف اتنا ہی کہنا تھا"۔

اختتامی تقریر صدر مجلس صوفی رہان الدین بغدادی نے یوں پیش کی "حضرات اکابرین ملت بیضاء! آپ نے مقررین کو بغور سماعت فرمایا، یقیناً یہ بات قابل تشویش ہے کہ فتنہ مودودیت پھر بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ ہمیں اس کے لئے سنجیدگی سے کچھ سوچنا ہوگا، سردست ہم اس دعا پر اس مجلس کا اختتام کرتے ہیں کہ رب العالمین یا تو ان مودودیوں کو اس دنیا سے ختم کر دے یا انکی ناپاک جماعت پر پھر پابندی لگا دے"۔

میں ایک کونے میں بیٹھا یہ ساری باتیں بغور سن رہا تھا، میرے اندر ایک ہیجان بپا تھا ـــــ مجھے بار بار خیال آتا کہ میرے گاؤں کے مقامی امیر تو ایسے نہیں ہیں، وہ بیچارے حد درجہ متقی و پرہیزگار آدمی ہیں، پابندی کے موقع پر بھی انہوں نے

کافی بہادری دکھائی تھی ——— مگر چوڑا کر ایک سکنڈ کے لئے بھی کہیں نہیں بھاگے ——— پولیس والے نے کہا کہ آپ لکھ کر دیجئے کہ "میرا جماعت اسلامی سے کوئی تعلق نہیں ہے" تو ہم آپ کو گرفتار نہیں کریں گے ——— اتنی سی بات پر انہوں نے کاغذ اور قلم پولیس والے کے منھ پر مار پھینکا یعنی کہ پھینک مارا اور کہا کہ میرا تعلق جماعت سے تھا، ہے اور ان شاء اللہ مرتے دم تک رہے گا ——— لیکن جب صوفی تنکیرے وغیرہ کی باتوں پر غور کرتا تو طبیعت مکدر ہونے لگتی ——— میں عجب حیص بیص میں مبتلا تھا کہ مجلس عملاً ختم ہوگئی۔ لوگ ایک دوسرے سے علیک سلیک کرکے منتشر ہونے لگے۔ میں نے بھی صوفی منقار سے مصافحہ کرکے اپنے گھر کی راہ لی ——— مگر راستے بھر میں اسی اُدھیڑ بُن میں رہا کہ میرے گاؤں کی جماعت کے مقامی امیر بچے یا صوفی تنکیں وغیرہ ——— چلتے چلتے چچا چھمن کے چائے خانے پر میری نظر پڑی۔ وہاں بڑی بھیڑ تھی۔ امر واقعہ جاننے کیلئے جوں ہی قریب ہوا تو صوفی قندیل نظر آئے۔ وہ بغلیں بجا بجا کر کچھ گا رہے تھے۔ میں نے پوچھا میاں کیا بات ہے؟ تو صوفی قندیل چہک کر بولے "بات وات کیا، ہماری دعا اور رائیگاں جائے ——— میاں! ٹریبونل کا فیصلہ آگیا۔ جماعت پر پھر پابندی لگ گئی" ——— یہ سننا تھا کہ میری زبان سے بے ساختہ نکلا سے یہ بھی اچھا ہوا برا نہ ہوا۔

گھر پہنچا تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ گھر میں قدم رکھتے ہی میری نظر سرخ رنگ کے لفافے پر پڑی۔ میں نے اسے کھولا۔ یہ صوفی زمان الدین بغدادی کا دعوت نامہ تھا۔ وہ جماعت اسلامی پر دوبارہ پابندی کی خوشی میں "فتح مبین" کے نام سے کل ایک جشن کا اہتمام کر رہے تھے۔ میں کھل اٹھا کہ میرے رزاق نے میری کل کی روزی کا بھی انتظام فرما دیا ——— البتہ اہلیہ کے تیور کچھ اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ تجاہل عارفانہ نہیں بلکہ تغافل عاقلانہ سے کام لے رہی تھیں ——— میں نے دل ہی دل میں "ہمت مرداں مدد خدا" کا ورد شروع کر دیا ——— باقی زندہ رہے نام اللہ کا۔ صوفی زندہ صحبت باقی۔



عبدالبر اثری فلاحی

# تعارف و تبصرہ

مجلہ (سالانہ) ۱۹۹۲ء شمارہ نمبر ۵

سرپرست مولانا ابوالحسن اصلاحی صاحب نائب ناظم

مدیر طارق اعجاز اعظمی

پیش کش انجمن طلبہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ (یوپی)

صفحات ۱۲۸ قیمت غیر مذکور

یہ مجلہ طلبہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ کا سالانہ ترجمان ہے۔ جو ادھر چند سالوں سے پابندی سے منظر عام پر آرہا ہے۔ زیر نظر شمارہ مدرسہ کی مجموعی فکر کا بھرپور عکاس ہے۔ اور وہ سادگی بھی لئے ہوئے ہے جو وہاں کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ مشمولات متنوع اور تحقیقی رخ لئے ہوئے ہیں۔ طلبہ کی جانب سے اس معیار کے مجلے خال خال ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ خصوصاً "قرآن مجید کے بعض اسالیب اور انکی حکمت" "قرآن و سنت اور نسخ" اور "مولانا حمید الدین فراہیؒ اور تقویٰ" کافی پسند آئے۔ شعری کاوشیں بھی عمدہ ہیں البتہ آیات کے ترجموں میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ مثلاً صفحہ ۲۲ پر "بل ادارک علمہم فی الآخرۃ" (النمل ۶۶) کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا گیا ہے "یعنی آخرت کے سلسلے میں ان کا علم نہایت کمزور اور حد درجہ لغو ہے" حالانکہ اس سے اس کی واقعی معنویت متاثر ہو رہی ہے۔ میرے علم کی حد تک یہ ترجمانی کسی نے نہیں کی ہے۔ صحیح معنویت کو سمجھنے کیلئے خود مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا ترجمہ و تشریح سامنے رکھیں تو بات نہایت آسانی سے واضح ہو جائیگی۔ ان کا ترجمہ ہے "بلکہ آخرت کے باب میں ان کا علم الجھا ہوا ہے" اور تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"ادارک" دراصل "تدارک" ہے جو بقاعدہ ادغام "ادارک" ہوگیا ہے۔

جس طرح "تفاعل" سے "اتّاقل" بن گیا ہے، "تدارک القوم" کے معنی ہوں گے قوم کے اگلے پچھلے سب ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے قرآن مجید میں ہے "حتی اذا ادّارکوا فیہا جمیعاً" (یہاں تک کہ جب وہ سب اس میں اکٹھے ہو لیں گے) یہیں سے اس کے اندر اختلاط اور گڈمڈ ہونے کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے اس لئے کہ جب مختلف چیزیں اکٹھی ہو جاتی ہیں تو وہ آپس میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔

یہ بات ہم اس کے محل میں واضح کر چکے ہیں کہ مشرکین عرب کا موقف آخرت کے باب میں صریح انکار کا نہیں تھا بلکہ وہ ایک قسم کی ذہنی الجھن میں مبتلا تھے اس کو ماننا چاہتے نہیں تھے اور اس کے صریح انکار کی گنجائش پاتے نہیں تھے اس وجہ سے وہ ایک قسم کی گومگو کی حالت میں مبتلا تھے بعض منہ پھٹ اور بالکل لاابالی قسم کے لوگ اگرچہ ضد کے جوش میں اس کا انکار بھی کر بیٹھتے تھے لیکن عام حالت یہ نہیں تھی بلکہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ایک ذہنی الجھن ہی کی تھی وہ اس کو ماننے کی خواہش کے تحت ایک بہت ہی مستبعد بات قرار دیتے تھے کہ گل سڑ جانے اور مر کر گل جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اور ساری دنیا کا حساب کتاب اور انکی جزا و سزا کس کے بس کی بات ہے لیکن اس پر بھی ان کا ذہن مطمئن نہیں تھا اس وجہ سے اپنی تسلی کیلئے وہ یہ بھی کہتے تھے کہ بالفرض مرنے کے بعد اٹھنا ہی پڑا اور حساب کتاب کی نوبت آہی گئی تو ہمارے دیوی دیوتا اپنی کچھ سفارش سے ہمیں بچا ہی لیں گے۔ اس کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے قرآن نے انکی اسی ذہنی کشمکش کو "ادارک علمہم فی الاخرۃ" سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ نہایت ہی حقیقت افروز تعبیر ہے لیکن تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے مفسرین اس کی تاویل میں معلوم نہیں کس طرح الجھن میں پڑ گئے۔ (تدبر قرآن ج ۵ ص ۶۲۶)

اسی طرح ص ۲۲۹ پر "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" (الحجر ۹) کا ترجمہ کیا گیا ہے "ہم نے ہی کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں" الذکر کا ترجمہ کتاب کیا گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے گویا متن میں الکتاب آیا ہے



ذکر ہی ترجمہ کرنا چاہئے تھا اور کتاب توسین میں لکھنا چاہئے تھا۔ یعنی یوں "ہم نے ہی ذکر (کتاب) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

کتابت کی بعض غلطیاں بھی نظر آئیں مثلاً ص ۱۱۹ پر "جمہرۃ خطب العرب" کو "جمہرۃ خطبۃ العرب" لکھا گیا ہے۔

اسی طرح ص ۱۲۶ پر "مقالہ" کو "مکالمہ" لکھا گیا ہے۔

---

# نظم

ام رفعت فلاحی

اپنی عظمت کو بچا لو تو کوئی بات بنے
عہد کو اپنے نبھا لو تو کوئی بات بنے

تم ہو وہ ذات جو مسجودِ ملائک ٹھہری — تم ہو وہ ذات جو اللہ کی نائب ٹھہری
علم کے ذریعہ ہوئی جس پہ عنایت گہری — بجھ رہا ہے مگر اس کا یہ چراغِ سحری

اپنے منصب کو بچا لو تو کوئی بات بنے
بار کو اپنے سنبھالو تو کوئی بات بنے

سارا عالم ہوا تاریک خبر ہے کہ نہیں — اپنی لغزش تو وہ قدموں پہ نظر ہے کہ نہیں
پیش ہے تجھکو سفر زادِ سفر ہے کہ نہیں — تم پہ طاغوت مسلط ہے خبر ہے کہ نہیں

اس کے پنجے سے چھڑا لو تو کوئی بات بنے
اپنی اک بزم سجا لو تو کوئی بات بنے

وقت کی موج پہ طوفان گہر بن جاؤ — صدف اجوف ہو تو نایاب گہر بن جاؤ
ہو اگر ظلم تو حیدر کا جگر بن جاؤ — اپنے حق کے لئے مضبوط سپر بن جاؤ

اپنی کشتی کو بچا لو تو کوئی بات بنے
اس کی پتوار سنبھالو تو کوئی بات بنے

محمد اسمٰعیل فلاحی

# جامعہ کے لیل و نہار

**صدر جامعہ دورہ پر** | صدر جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب مختلف جگہوں کے ثقافتی دورہ پر ہیں۔ انکی عدم موجودگی میں صدارت سے متعلق جملہ امور ان کے نائب، استاذ گرامی مولانا محمد سلامت اللہ صاحب اصلاحی بمعاونت مولانا نور محمد صاحب فلاحی انجام دے رہے ہیں۔*

**انتظامیہ کا اجلاس** | ۹ر ۱۰ر اور ۱۱ر جون ۱۹۹۴ء کو جامعہ میں انتظامیہ کا اجلاس ہوا۔ جس کا زیادہ وقت جامعہ کے مجوزہ نئے دستور پر غور و خوض میں گزرا۔ پچھلی انتظامیہ میں تنخواہوں کا جو نیا اسکیل بنا تھا اس پر از سر نو نظر ثانی کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو ایک ماہ کے اندر اندر اپنی سفارشات پیش کریگی۔ انتظامیہ کا اگلا اجلاس ۲۲، ۲۳ جولائی ۱۹۹۴ء کو ہوگا۔

**انجمن کی شوریٰ کا اجلاس ملتوی** | ۸ رجون ۱۹۹۴ء کو انجمن طلبہ قدیم کی شوریٰ کا اجلاس ہونا طے تھا۔ کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے یہ اجلاس ملتوی کرنا پڑا۔ اب یہ ملتوی شدہ اجلاس انشاء اللہ ۲۱، ۲۲ جولائی ۱۹۹۴ء کو ہوگا۔

**ملحقہ مدارس کا دورہ** | سابق ناظم جامعہ جناب ڈاکٹر خلیل احمد صاحب صدر انجمن و جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ الاثری صاحب فلاحی، مدنی، سکریٹری انجمن مولانا محمد عمران خان صاحب فلاحی، مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی، مدنی پر مشتمل ایک وفد پچھلے دنوں بعض ملحقہ مدارس کے جائزہ کے لئے مصباح العلوم چوکونیاں، جامع العلوم سنتھی، ضیاء العلوم گرومیا گئے اور تعلیمی و تربیتی امور کا معائنہ کرنے کے بعد انہیں مفید مشورے دیئے۔ اس سفر میں دارالعلوم بونڈیہار، خیرالعلوم ڈومریاگنج، مدرسہ تحفیظ القرآن

* اب جبکہ یہ شمارہ پریس جارہا ہے صدر جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری صاحب اپنے دورہ سے واپس آگئے



ڈومریاگنج، مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر، مدرسۃ الزہراء جھنڈانگر، جامعہ اسلامیہ فلاحیہ، جامعۃ الحق السلفیہ پانسی کے علاوہ مدرسۃ البنات پانسی کے ذمہ داروں نے بھی اس وفد کا استقبال کیا اور رہنمائی حاصل کی۔

**جامعہ میں تعلیمی جائزہ** | جامعہ کی انتظامیہ نے تعلیم میں مزید بہتری لانے کیلئے باہر سے ماہرین کے ذریعہ تعلیم کا جائزہ لینا طے کیا تھا۔ جس کی رو سے مختلف جگہوں سے آئے ہوئے ماہرین نے ابتدائی، ثانوی، اعلیٰ اور کلیۃ البنات میں تعلیم کا جائزہ لیا۔ اور اپنے مشورے دیئے۔ جائزہ کیلئے آنے والوں میں جناب محمد اشفاق صاحب سکریٹری تعلیمات مرکز جماعت اسلامی ہند، مولانا سلطان احمد صاحب اصلاحی، مولانا عبدالعظیم صاحب اصلاحی، عبیداللہ فہد صاحب فلاحی، محترمہ انجمن آرا انجم صاحبہ، محترمہ طاہرہ صاحبہ اور محترمہ خورشید جبیں عثمانی صاحبہ قابل ذکر ہیں۔

**جمعیۃ الطلبہ کا انتخاب** | تعلیمی سیشن ۹۵-۱۹۹۴ء کے لئے طلبہ نے اپنی جمعیت کے درج ذیل ذمہ داروں کا انتخاب کیا ہے۔ یہ انتخاب عربی ششم کے طلبہ میں سے ہوتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| (۱) | سکریٹری جمعیت | ابو زید | (اعظم گڑھ) |
| (۲) | معتمد لائبریری | رضوان احمد | (بستی) |
| (۳) | معتمد جرائد و رسائل | عبدالخالق | سدھارتھ نگر |
| (۴) | ،، خطابت اردو | محمد الیاس | آکولہ، مہاراشٹر |
| (۵) | ،، خطابت عربی | نہال الدین | کھگڑیا، بہار |
| (۶) | ،، ،، انگریزی | ظفر احمد | (کشمیر) |
| (۷) | ،، صفائی و باغبانی | محمد ارشد | اعظم گڑھ |
| (۸) | ،، کھیل کود و ورزش | عمر علی | (نیپال) |
| (۹) | ،، دستور | مدثر حسین | اڑیسہ |
| (۱۰) | ،، صحت و تیمارداری | نعمان یوسف | (تمل ناڈو) |
| (۱۱) | ،، طعام | غیاث الدین | سدھارتھ نگر |

**مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب کا توسیعی خطبہ** | طلبہ و اساتذہ کے اندر علمی و تحقیقی صلاحیتوں کو ابھارنے اور پروان چڑھانے کے لئے وقفہ وقفہ سے توسیعی لکچر کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اسی طرح کا ایک لکچر

۸ جون ۱۹۹۴ء کو مولانا سلطان احمد صاحب اصلاحی نے دیا موصوف ۱۹۷۱ء میں مدرسۃ الاصلاح سرائمیر سے فارغ ہوئے پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا اس وقت ادارہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں رفیق ہیں بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، مذہب کا اسلامی تصور، اسلام کا تصور مساوات، وحدت ادیان اور اسلام، مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔ آپ نے موجودہ سماجی مسائل کو بطور خاص اپنا موضوع بحث بنایا ہے۔

جامعہ میں آپ کے توسیعی لکچر کا عنوان تھا ”فقہ اور فقہاء - زیر درس اور متداول کتابوں کا جائزہ“

سب سے پہلے آپ نے فقہ کی تعریف اور اس کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی پھر فقہاء کی درجہ بندی کا تذکرہ کیا اخیر میں امہات کتب کا تعارف و تجزیہ پیش کیا۔ مباحث انتہائی معلوماتی تھے ہم ان شاء اللہ یہ لکچر آئندہ انہیں صفحات میں شائع کریں گے۔ اخیر میں سوال و جواب کا بھی موقع تھا۔ گھنٹہ بھر سے زیادہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔

موضوع چونکہ انتہائی وسیع تھا اس لئے آپ کی اکثر گفتگو فقہ حنفی کی متداول کتابوں تک محدود رہی اور دیگر مسالک کی متداول کتابوں پر گفتگو نہ ہو سکی، اس لحاظ سے تشنگی باقی رہ گئی، بعد میں اس کا اظہار بھی ہوا بلکہ فاضل مہمان سے یہ درخواست بھی کی گئی کہ اس تشنگی کو دور کرنے کے لئے دیگر مسالک کی کتابوں کے تعارف و تجزیے پر آئندہ پھر اظہار خیال فرمائیں۔

## ڈاکٹر عبد العظیم صاحب اصلاحی کا توسیعی خطبہ ”جدید ہندوستان میں اسلامی معاشیات کا ارتقاء“ کے موضوع پر

جناب ڈاکٹر فضل الرحمان فریدی صاحب کا توسیعی خطبہ ہونا طے تھا۔ موصوف نہ آسکے اور ان کی جگہ پر ان کے شاگرد جناب ڈاکٹر عبد العظیم صاحب اصلاحی نے اسی موضوع پر ایک خطبہ دیا۔ ڈاکٹر عبد العظیم صاحب نے اصلاح سے فراغت



کے بعد ندوہ میں فضیلت اور تخصص کے درجات میں کچھ دنوں سماعت کی ہے عصری تعلیم کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا رخ کیا اور وہیں سے ابن تیمیہ کے معاشی نظریات پر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہے۔ اس وقت وہیں ریڈر کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینے سے پہلے کنگ عبد العزیز یونیورسٹی جدہ میں استاد کی حیثیت سے ایک عرصہ تک رہے ہیں۔ موصوف جامعہ کے پڑوس ہنگائی پور کے رہنے والے ہیں اور ابتدائی تعلیم جامعہ ہی میں اس وقت حاصل کی ہے جبکہ جامعہ مکتب کی شکل میں تھا۔

موصوف نے اپنے خطبہ میں بتایا کہ علماء شروع سے اسلامی معاشیات پر لکھتے رہے ہیں شروع میں ان کا انداز معذرت خواہانہ رہا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اس میں تبدیلی آئی ہے۔ ڈاکٹر عبد العظیم صاحب نے اسلامی معاشیات پر کام کرنے والے علماء اور جدید ماہرین کی ایک فہرست پیش کی۔ جس میں سرفہرست مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کو رکھا۔ اس موضوع پر ہونے والے سیمینار اور کانفرنسوں کے علاوہ ان مجلات کا بھی ذکر کیا جن میں اس پر مضامین آتے رہے ہیں۔ اسلامی معاشیات پر عملی کام کرنے والے بعض اداروں کا بھی ذکر آیا جو بعض اسباب کی بنا پر بہت زیادہ کامیاب نہیں رہے۔ وہ یہ بات بھی علم میں لائے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایم اے فائنل میں آئندہ سال سے اسلامی معاشیات ایک اختیاری مضمون کے طور پر ہوگا۔ موصوف نے یہ اعتراف بھی کیا کہ مدارس کی دنیا میں سب سے پہلے جامعۃ الفلاح نے باقاعدہ لازمی مضمون کی حیثیت سے معاشیات کو اپنے نصاب میں جگہ دی ہے۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی بہتر ہوگا کہ یہ اسلامی معاشیات ہو۔ ہم موصوف کے علم میں یہ بات لانا چاہیں گے کہ یہاں معاشیات کی تعلیم اسلامی اصولوں کی ہی روشنی میں ہوتی ہے۔

آخر میں کچھ سوالات ہوئے مثلاً یہ کہ اسلامی بینکنگ پر حکومت کا رد عمل کیا ہے۔

اور اسلامی معاشیات میں غیر مسلم اسکالرس کی دلچسپی کے اسباب کیا ہیں وغیرہ موصوف نے ان کا جواب دیا۔

صدر جلسہ مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی نے بعض باتوں کی طرف توجہ دلائی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبہ میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی کتاب کا ذکر کیا تھا۔ صدر جلسہ نے بتایا کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا اپنی کتاب کے آخر میں یہ لکھنا کہ معاشی مسائل کا حل کمیونزم میں ہے" اس بات کا غماز ہے کہ انہوں نے کس ذہنی مرعوبیت کے عالم میں یہ کتاب تصنیف کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالعظیم صاحب نے اپنے لکچر میں کہا تھا کہ شروع میں تو علماء کی طرف سے تحقیقی کام ہوا تھا لیکن اب جو مضامین آرہے ہیں وہ کچھ یوں ہی سے ہیں اور تکرار لیے ہوئے۔ مولانا نظام الدین صاحب نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے، یہ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب، فضل الرحمٰن فریدی صاحب اور خود عبدالعظیم اصلاحی صاحب کیا علماء کی فہرست میں نہیں ہیں؟

## مولانا عبدالرشید صاحب عثمانی

### مولانا عبدالرشید صاحب عثمانی کا طلبہ و اساتذہ سے خطاب

سکریٹری برائے تربیت جماعت اسلامی ہند کی معائنہ کنندگان کے تربیتی پروگرام میں تشریف آوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جامعۃ الفلاح کے طلبہ اور اساتذہ نے بھرپور استفادہ کیا۔ اس موقع سے درجہ عربی پنجم تا عربی ہفتم کے طلبہ سے آپ نے خصوصی خطاب فرمایا انہیں ان کا اعلیٰ مقصد زندگی یاد دلایا۔ اپنی زندگی کو اسلامی رنگ میں رنگنے اور اپنے آپ کو اسلام کا پیکر بنانے کی تلقین کی۔ اجتماعی زندگی گذارنے اور ٹیم اسپرٹ کے ساتھ اجتماعی امور انجام دینے کی بھی ترغیب دی۔ عملی جد وجہد پر ابھارا اور ہمیشہ اپنے ذہنوں میں آخرت کی جواب دہی کا احساس بیدار رکھنے کی نصیحت کی۔

۷ جون ۹۳ء کو اساتذہ جامعہ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جامعہ میں تدریسی خدمت انجام دینے کا موقع آپ کے لئے اللہ کی



ایک خصوصی عنایت اور باعث شرف ہے اس پر اللہ کا شکر گذار ہونا چاہئے۔ اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہیئے۔ اس کا تقاضا ہے کہ آپ اللہ کو ہمیشہ یاد رکھیں۔ طلبہ کو جانچتے رہیں۔ جو کمیاں محسوس کریں اس کے اصلاح کی کوشش کریں۔ ٹیم اسپرٹ کے ساتھ کام کریں۔ ایک دوسرے کی خوشی وغم میں شریک ہوں۔ منصوبہ بند طریقے سے کام کرنے کی کوشش کریں۔ یہ منصوبہ بندی تعلیم کے سلسلے میں بھی ہو اور انفرادی ارتقاء کے سلسلے میں بھی ہو۔ مطالعہ قرآن وحدیث اور تحریر پر خصوصی توجہ دیں عملی زندگی کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھال لیں، حلم وبردباری اور شفقت ومحبت سے کام لیں۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ آخرت کی جواب دہی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور اللہ سے برابر یہ دعا کرتے رہیں۔ اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع۔

اخیر میں انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اساتذہ کرام کا ماہانہ اجتماع ضرور ہو اور اس میں تعلیم وتربیت کی صورت حال کا برابر جائزہ لیا جائے اور حل کے لئے مثبت تدابیر اختیار کرنے کی کوشش کی جائے۔

اسی طرح انہوں نے معلمات سے بھی خطاب فرمایا انکی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور تعلیم وتربیت سے متعلق ان کے مسائل کے حل کے سلسلے میں مفید مشورے بھی دیئے۔

## کچھ نئے ہم سفر

پچھلے شمارہ میں بعض نئے ہم سفروں کے بارے میں آپ پڑھ آئے ہیں۔ کچھ اور احباب ہمارے قافلہ میں شامل ہوئے ہیں۔ جناب مسیحا قادری صاحب ایم اے ایل ٹی، ریٹائرڈ وائس پرنسپل، کلیۃ البنات میں، جناب سراج احمد فلاحی اور جناب کامل رضا صاحب ایم۔ ایس سی بی ٹی شعبہ ثانوی میں اور جناب نور اللہ صاحب ایم اے شعبہ ابتدائی میں بحیثیت استاد تشریف لائے ہیں۔

## بعض اساتذہ کی جدائی

جناب ظفر احمد صاحب فلاحی وبستوی استاد شعبہ ابتدائی

جامعۃ الفلاح اپنے حالات کی بنا پر جامعہ سے اپنا تعلق منقطع کر کے چلے گئے ہیں جامعہ میں انہوں نے ابتدائی سے تعلیم حاصل کی تھی فراغت کے بعد الکٹرشنین کی حیثیت سے جامعہ میں رہے۔ پھر مصباح العلوم چوکونیاں میں استاد کی حیثیت سے چند سال خدمت کر کے دوبارہ جامعۃ الفلاح کو اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

## مولانا عبدالرحمٰن خالد صاحب فلاحی کو صدمہ

مولانا عبدالرحمٰن خالد صاحب فلاحی اور عبدالحی فاروق فلاحی صاحب کے والد محترم جناب حافظ نذیر صاحب بقرعید کے دن انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نے اپنی پوری زندگی مغربی بنگال میں دعوت اور رفاہی امور کیلئے وقف کر دی تھی۔ جماعت کے ہمہ وقتی کارکن تھے۔ کلکتہ میں غیر سودی اسکیم کی بنیاد ڈالی، جس سے کارخانوں کے مزدور اور دوسرے محنت مزدوری کرنے والے عام طور سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ بنگلہ اشاعتی ٹرسٹ کو قائم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ جامعۃ الفلاح سے گہرا لگاؤ تھا۔ دینی قدروں کو محبوب رکھتے تھے۔ مرض کی شدت کے زمانہ جبکہ زندگی کے بظاہر آثار ختم ہو چکے تھے، انہوں نے مستقل آرام کے لئے جامعہ کے پڑوس کو پسند کیا اور باصرار بلریا گنج آئے اور یہیں جامعہ سے متصل قبرستان میں استاذ گرامی قدر مولانا جلیل احسن ندوی مرحوم کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔ کلکتہ جب بھی جانا ہوتا بڑی شفقت سے ملتے۔ ہر وقت مشغول رہنے والے آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرمائے۔

## انسان اسکول کا ایک سفر

صوبہ بہار میں کشن گنج کا انسان اسکول اور انسان کالج ایک معروف ادارہ ہے۔ کم و بیش ۲۸ سالہ اس کی خدمات ہیں اور تعلیمی اعتبار سے اس کا ایک شاندار ماضی ہے، پچھلے دنوں اخبارات میں اس ادارہ کے سلسلہ میں ایسی خبریں نظر سے گذریں کہ افسوس ہوا اور تشویش پیدا ہوئی۔ خیال ہوا کہ اس ادارہ کو تباہ ہونے سے بچانے کیلئے اپنی سی کوشش کرنی چاہیے۔ اس خواہش کے تحت سابق ناظم جامعہ ڈاکٹر خلیل



صاحب کی قیادت میں استاد شبلی کالج اور رکن انتظامیہ جامعۃ الفلاح جناب ڈاکٹر ابو تمیم صاحب، جناب عبدالرزاق بزمی صاحب جامعۃ الفلاح اور راقم پر مشتمل ایک وفد انسان اسکول کے صحیح حالات معلوم کرنے اور اسے سہارا دینے کی غرض سے انسان اسکول پہونچا۔ یہ بڑی پرفضا جگہ اور مسلم اکثریتی علاقہ ہے۔ موسم بڑی حد تک معتدل اور خوشگوار رہتا ہے۔ درس گاہ بھی اچھوتیریوں میں ہے اور دارالاقامہ بھی۔ یہ جھونپڑیاں اس کے حسن کو دوبالا کرتی ہیں۔ اس کے بانی اور ناظم ڈاکٹر جناب سید حسن صاحب اچھی صلاحیت کے ایک ذہین آدمی ہیں۔ ان کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اس ادارہ کے پاس اس وقت اتنی زمینیں ہیں جتنی شاید علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ دہلی کے پاس نہیں ہیں۔ فجر کے وقت سے لیکر رات کے گیارہ بارہ بجے تک مشین کی طرح مسلسل حرکت اور معمولی مزدور کی نگرانی سے لیکر سارا کام براہ راست اپنی نگرانی میں کرانا ان کا خاصہ ہے۔ لیکن حالات اور عمر نے اب ان کو شاید تھکا دیا ہے، چہرہ پر تھکاوٹ، بے چینی اور کبھی کبھی مایوسی کے اثرات پڑھے جا سکتے ہیں۔

ہمارے وہاں پہونچنے کے ایک دن پہلے اساتذہ نے اپنی بھوک ہڑتال ختم کی تھی۔ اساتذہ اور ڈائرکٹر کے درمیان کشیدگی تکلیف دہ حد تک بڑھی ہوئی ہے۔ وفد جامعہ نے دونوں کو سمجھانے بجھانے اور نزاع حل کرنے کی کوشش کی اور انہیں اپنی عظیم ذمہ داریاں یاد دلائیں۔ اساتذہ کی تنخواہیں معمولی اور تین ماہ سے لیکر تیرہ ماہ کی تاخیر سے مل رہی ہیں۔ اساتذہ کو شکایت ہے کہ ان کی تنخواہ کاٹ کر، تاخیر کر کے اور پراویڈنٹ فنڈ استعمال کر کے سید صاحب اپنے نام زمینیں خرید رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک حاکم اور ڈکٹیٹر کی طرح ان کے ساتھ ان کا برتاؤ ہوتا ہے۔ سید صاحب جواب میں مجلس تعلیمی کور کا دستور اور بعض دوسرے کاغذات دکھاتے ہیں جنکی رو سے مجلس تعلیمی کور کا کوئی ذمہ دار بشمول سید حسن صاحب کسی بھی شکل میں اس کی کسی ملکیت کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اساتذہ کا کہنا ہے کہ مجلس

تعلیمی کورا اور انسان اسکول میں کسی قسم کا کوئی دستوری تعلق نہیں جبکہ ساری جائداد ڈاکٹر انسان اسکول سید حسن کے نام ہے۔ بہر کیف اس ادارہ کی حالت قابل رحم ہے۔ کاش کچھ لوگ بیچ میں پڑ کر اس کو دم توڑنے سے بچا سکتے۔ وقت کی کمی کے باعث ہمیں واپس آنا پڑا۔

اساتذہ یونین کے صدر دین و ملت کا درد رکھنے والے ایک ذمہ دار اور باصلاحیت آدمی ہیں۔ ہم ان سے امید رکھتے ہیں کہ ادارہ اور ملت کا مفاد ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگا اور ڈاکٹر سید حسن صاحب سے یہ امید رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ اس ادارہ کو بچانے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے کو اس میں ان کا خون جگر شامل ہے اور فریقین میں سے کوئی بھی اسے انا کا مسئلہ نہیں بنائے گا کہ ملت کی ایک بڑی امانت کا مستقبل ان سے وابستہ ہے۔

ایک اور چیز جس کی جانب توجہ دلانا خیر خواہی کا تقاضا ہے یہ ہے کہ اس ادارہ میں نیم مخلوط تعلیم ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنے کو سیکولر ثابت کرنے کے لئے کچھ ضرورت سے زیادہ بعض باتوں کا التزام نظر آیا ضرورت ہے کہ ان کی اصلاح کی جانب توجہ مبذول کی جائے۔

## پابندی

ابوجاوید برکی

میری جرأت کا پتنگ جلا دیجئے
اپنی محفل سے مجھکو اٹھا دیجئے

میرے احساس کو دیجئے سوئیاں
اور خیالوں پہ پہرے بٹھا دیجئے

میرے جذبات ہیں باغیانہ بہت
ان کی راہوں پہ قدغن لگا دیجئے

میری آہوں کا بھی گھونٹ دیجئے گلا
میرے نالوں کو بیڑی پہنا دیجئے

میری پرواز کو روکئے ہر طرح
کوئی دیوار اونچی اٹھا دیجئے

میرے افکار کی کاٹ دیجئے زباں
میرے شعروں کی قیمت گرا دیجئے

الغرض حق نوائی اگر جرم ہے
حق نوائی کی مجھ کو سزا دیجئے

شکر ہے زندگی سرخرو ہو گئی
اپنے قاتل کو برکی دعا دیجئے



# ورکشاپ

مرتب: عبدالبر اثری فلاحی

بعنوان "عربی زبان کی تدریس میں جدید تدریسی تجربات سے استفادہ"

"عربی زبان کی تدریس میں جدید تدریسی تجربات سے استفادہ" کے عنوان پر مورخہ ۶، ۷ رجون ۱۹۹۴ء کو جامعۃ الفلاح میں ایک دو روزہ ورکشاپ ہوا۔ مقصود یہ تھا کہ جس طرح جدید تکنیک کو اپنا کر دوسری زبانیں بہت ہی کم وقت میں سکھا دی جاتی ہیں اسی طرح ہم جدید تدریسی تکنیک کو اپنا کر کم وقت میں کس طرح عربی زبان سکھا سکتے ہیں اس پر غور و فکر کر کے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔ چنانچہ مولانا سلطان احمد صاحب اصلاحی کی تدبیر سے اس پروگرام کا آغاز ہوا۔

سب سے پہلے "غیر مادری زبان کی تدریس" کے عنوان پر جناب ڈاکٹر شبیر حسین جوشش صاحب کا ایک لکچر ہوا۔ جس میں انھوں نے نظری گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ کسی بھی زبان کو سیکھنے سکھانے میں چار عوامل کام کرتے ہیں اور ان سے چاروں پر یکساں توجہ دینا ضروری ہے تبھی کسی زبان پر عبور حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وہ چار عوامل ہیں۔

۱- سننا LISTENING ۲- بولنا SPEAKING
۳- پڑھنا READING ۴- لکھنا WRITING

اس کے بعد انھوں نے زبان سکھانے کے مختلف طریقوں کا تعارف کرایا اور پھر نمونتہً درجہ عربی سوم کو انگریزی بزبان انگریزی پڑھا کر دکھایا۔

دوسرے سیشن میں "عربی زبان کی تدریس میں جدید تدریسی تجربات سے استفادہ" کے عنوان پر ایک مقالہ پیش کیا گیا۔ یہ مقالہ ڈاکٹر صلاح الدین عمری صاحب لکچرر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا تیار کردہ تھا لیکن علالت کی وجہ سے وہ

تشریف نہ لا سکے تو اسے ڈاکٹر طارق جمیل صاحب فلاحی نے پیش کیا۔ یہ قیمتی مقالہ ہم عن قریب شائع کر رہے ہیں لہذا اس کے مشتملات وہیں ملاحظہ فرمائیں۔ اس مقالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب نے فرمایا کہ انگریزی میڈیم کی طرح عربی میڈیم میں بھی تعلیم کا تجربہ کیا جانا چاہئے۔ اس ضمن میں انہوں نے اس خدشہ (جدید طریقہ تدریس میں قواعد زبان (صرف و نحو) کو نظر انداز کیا جاتا ہے جس سے گیرائی و گہرائی متاثر ہوگی) کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان میں ہم انگریزی (جو غیر مادری زبان ہے) بلا قواعد پڑھتے لکھتے اور بولتے ہیں حتی کہ بہت سی علمی و تحقیقی کتابیں تصنیف کرتے ہیں تو پھر یہی عربی زبان میں کیوں ناممکن ہے؟ اسی سلسلے میں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ زبان پہلے بنی ہے اور قواعد بعد میں — اور قواعد بننے سے پہلے اگر لوگ زبان پر عبور رکھ سکتے ہیں تو بغیر قواعد کے بھی زبان سیکھ کر زبان پر عبور حاصل کیا جا سکتا ہے کیونکہ زبان اصلاً کثرت استعمال سے آتی ہے۔ اور اس کے لئے اسی زبان کو بولنے والے افراد پر مشتمل ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔

پھر اس کے بعد جدید طریقہ تدریس کے مطابق جناب خالد اعظمی صاحب ایم۔ اے (ام القریٰ ؟) ازہر (خرطوم یونیورسٹی) نے عربی سوم کے طلبہ کو عربی زبان بزبان عربی نمونتہً پڑھایا اسی طرح مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی نے مروجہ طریقہ تدریس کے مطابق ایک نمونے کا سبق پڑھایا تاکہ دونوں طرق تدریس کا موازنہ کیا جا سکے اور یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ ہمارے مقصد کے اعتبار سے کونسا طریقہ مفید ہے۔

اخیر میں تمام شرکاء ورکشاپ کی ایک نشست ہوئی تاکہ باہمی تبادلہ خیال کے ذریعے کسی نتیجہ تک پہنچا جا سکے۔ اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل ترتیب دیا جا سکے خلاصہ بحث کے طور پر درج ذیل باتیں سامنے آئیں۔

چونکہ ہمارے نزدیک عربی زبان کی تدریس کا مقصد قرآن و حدیث میں گہری بصیرت پیدا کرنا اور تحریر و تقریر میں درک پیدا کرنا ہے اس لئے ہمارے قدیم مروجہ طریقہ تدریس ہی زیادہ مناسب ہے البتہ جدید طریقہ تدریس کی مفید



تکنیک کو بھی ضرورت کے مطابق استعمال میں لانا چاہئے۔ اور مطلوبہ مقاصد کو حاصل کرنے میں جو کمیاں رہ جاتی ہیں انہیں دور کرنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کی جانی چاہئے۔ وہ تدابیر حسب ذیل ہو سکتی ہیں۔

۱۔ عربی پڑھنے لکھنے اور بولنے کا ماحول پیدا کیا جائے۔

الف۔ تعلیم عربی زبان میں دی جائے۔

ب۔ تحریر و تقریر کے مشقی مجلے نکالے جائیں۔

ج۔ عربی رسائل و جرائد منگوائیں جائیں اور ممکن ہو تو اپنا ایک عربی آرگن نکالا جائے۔

د۔ عربی تحریر و تقریر اور عربی بیت بازی کے بین المدارس انعامی مقابلے کرائے جائیں۔

۲۔ چونکہ اساتذہ خود عربی لکھنے اور بولنے پر قادر نہیں ہوتے اس لئے سب پہلے انہیں تیار کیا جائے اور اس غرض کے لئے

الف۔ اساتذہ کرام میں لکھنے اور بولنے کا ملکہ پیدا کرنے کے لئے ایک کیمپ لگایا جائے

ب۔ عربی زبان کے ماہر عرب اساتذہ ان مدارس میں لائے جائیں۔

ج۔ اساتذہ کرام کو عرب ممالک میں بھیج کر ٹریننگ دلائی جائے

۳۔ جدید تدریسی تکنیک کے مفید عناصر کو شامل کرتے ہوئے از سر نو نصاب ترتیب دیا جائے۔

---

## غزل

ایم۔ اے۔ شمسی دوگھروی
مدرسہ بیت العلوم۔ دیگھیار، دربھنگہ

تنہائی میں جذبات سمٹ کر بہت روئے — وہ ترک محبت سے پلٹ کر بہت روئے
معصوموں کے سر جسموں سے کٹ کر بہت روئے — اور حادثے غم کی لے سے لپٹ کر بہت روئے
جب بھوک سے بچوں کی بھی آنکھوں میں نمی تھی — ماں باپ بھی بچوں سے چمٹ کر بہت روئے
پھر آج کتابوں میں ملے سوکھے ہوئے پھول — پھر ماضی کے اوراق پلٹ کر بہت روئے
تنہائی تھی تاریکی تھی اور کوئی نہیں تھا — ہم تیرے خیالوں سے لپٹ کر بہت روئے
ہیں حوصلے شمسی کے بلند آج بھی لیکن — پیچیدہ مسائل سے نپٹ کر بہت روئے

# رپورٹ پروگرام بسلسلہ تیاری معائنہ کنندگان

## برائے آزاد دینی مکاتب اترپردیش

اترپردیش فلاح عام سوسائٹی ایک رفاہی و فلاحی ادارہ ہے تعلیمی میدان میں بھی گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے اس کے زیر اثر پورے ریاست میں سینکڑوں آزاد دینی مکاتب، جونیر ہائی اسکول اور بعض مقامات پر ہائی اسکول چل رہے ہیں۔ ان کے معیار تعلیم کو بہتر بنانے کے لئے سوسائٹی تدریسی تربیت کے یک ماہی کیمپ ہر سال منعقد کرتی ہے۔ امسال پہلی مرتبہ اس نے یکم تا ۵ جون ۱۹۹۳ء بسلسلہ تیاری معائنہ کنندگان (انسپکٹر) ایک ورکشاپ کا پروگرام رکھا تاکہ ان اداروں کی مسلسل نگہداشت، رہنمائی اور معائنہ کیلئے کچھ منتخب افراد کو تیار کیا جا سکے۔ زہے قسمت اس پروگرام کے لئے انہوں نے جامعۃ الفلاح کو منتخب کیا، ناظم کیمپ مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی مدظلہ متعین ہوئے۔ مہمانان گرامی کی تشریف آوری سے تعلیم و تربیت کی ایک روح پرور فضا پیدا ہوگئی۔ ہر طرف گویا سیکھنے اور سکھانے ہی کا چرچا ہوا۔

یکم جون کو مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی (سابق صدر جامعہ) کی تذکیر سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ چیرمین سوسائٹی مولانا محمد شفیع مونس صاحب (نائب امیر جماعت اسلامی ہند) نے افتتاحی خطاب فرمایا۔ پھر سکریٹری سوسائٹی حافظ منصور عالم صاحب نے سوسائٹی اور اس کی تعلیمی کاوشوں کا تعارف کرایا اور اس کیمپ کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی اور یہ بھی بتایا کہ چونکہ یہ پہلا کیمپ ہے اس لئے ابتداءً اسمیں معائنہ کنندگان میں فکری و نظری ہم آہنگی اور کام میں یکسانیت پیدا کرنے پر خصوصی توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ دو جون ۱۹۹۳ء کو درج ذیل موضوعات پر تقریریں ہوئیں۔

| | |
|---|---|
| اسلام کا تصور علم | مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی |



| | |
|---|---|
| بچوں کی تعلیم و تربیت اسوہ رسول کی روشنی میں | مولانا سراج الدین صاحب ندوی |

تین جون ۱۹۹۳ء کو جن موضوعات پر تقریریں ہوئیں اور لکچر دیئے گئے وہ حسب ذیل ہیں

| | |
|---|---|
| تذکیر:۔ مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی، ندوی | |
| اساتذہ کا علمی و فکری ارتقاء ضرورت و اہمیت اور اس کا منصوبہ۔ | |
| مولانا عبدالرشید عثمانی صاحب (سکریٹری شعبۂ تربیت جماعت اسلامی ہند) | |
| معائنہ ضرورت اہمیت اور اس کا صحیح تصور۔ | جناب محمد محمود صدیقی صاحب (لکچرر بی ایڈ کالج اورنگ آباد) |
| جانچ اسکی اہمیت اور طریقہ کار۔ | ڈاکٹر شبیر حسین جوش صاحب (لکچرر بی ایڈ کالج اورنگ آباد) |
| تدریسی مہارتیں | ڈاکٹر ابرار احمد صاحب (ہیڈ بی ایڈ سیکشن مال تاڑی کالج [illegible]) |
| طریقہ تدریس (نظری گفتگو) | پروفیسر محمد قاسم صاحب (اورنگ آباد) |
| مدرسہ کا ریکارڈ اور رجسٹرس اور ان کا طریقہ اندراج۔ | ماسٹر اظہر بیگ صاحب [illegible] اسلامیہ انٹر کالج فتح پور |
| ہم نصابی سرگرمیاں ضرورت و افادیت | جناب نصرت علی صاحب ایم اے |
| جسمانی تعلیم، اسکی اہمیت اور اسکاؤٹنگ کا تعارف۔ | ڈاکٹر سید مہتاب حسین صاحب |
| گھر کا کام، اسکی اہمیت اور جانچ کا طریقہ | ماسٹر تاج محمد صاحب صدیقی لکچرر ایس، این انٹر کالج فیض آباد |
| خوشخطی اہمیت و ضرورت، عام غلطیاں (اردو۔ ہندی) | سید شاہ حسین نہری صاحب |
| " " " " " (انگریزی) | جناب محمد محمود صاحب صدیقی لکچرر بی ایڈ کالج اورنگ آباد |

چار جون ۱۹۹۳ء کو حسب ذیل پروگرام چلا۔

تذکیر:۔ مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی

اشارات سبق انکی اہمیت اور لکھنے کا طریقہ۔ — جناب محمد الیاس صاحب

طریقہ تدریس قرآن مجید (ناظرہ) — جناب محمد اشفاق صاحب
سکریٹری تعلیمات جماعت اسلامی ہند

ریاضی وسائنس — ماسٹر صادق عثمانی صاحب
لکچرر جی ایم انٹر کالج ابھترا روڈ

تدریس میں امدادی سامان کی اہمیت اور تیاری کا طریقہ۔ — جناب شیخ عبد اللطیف صاحب

اشارات وکنایات اور جسمانی حرکات سے تعلیم۔ — جناب سید حسن کمال صاحب ندوی
ناظم مرکزی درسگاہ اسلامی رامپور

مختلف مضامین کی تدریس میں اسلامی تعلیم کی آمیزش۔

(تاریخ) جناب عبد الحی فاروق صاحب فلاحی
(ریاضی) ״ سید حسن کمال صاحب ندوی
״ شاہ حسین حقانہری
״ پروفیسر محمد قاسم صاحب

ہر تقریر یا لکچر کے بعد سوالات وجوابات کے لئے بھی کچھ اوقات خاص تھے جس میں شرکاء کو موضوع سے متعلق ہر طرح کے سوالات کی آزادی تھی

ان چار دنوں کے اندر شرکاء کیمپ نے جو کچھ جانا یا سیکھا وہ سب نظری اور اصولی باتیں تھیں پانچواں دن یعنی ۵ جون ۹۳ء کو ان اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مختص تھا چنانچہ تمام شرکاء کو مختلف درجات کا معائنہ کر کے رپورٹ دینی تھی۔ اس رپورٹ کے لئے ایک خاکہ بھی ترتیب دیا گیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے جناب اشفاق احمد صاحب سکریٹری تعلیمات جماعت اسلامی ہند نے تمام شرکاء کو اس خاکے کی تفہیم کرائی۔ اور معائنہ کا طریقہ کار بتایا پھر ہر ایک کو خاکے کی کچھ کاپیاں فراہم کی گئیں اور نقشہ کار بتا دیا گیا کہ ہر ایک کو کن کن درجات اور کن کن مضامین کی تدریس کا معائنہ کرنا ہے۔ چنانچہ دن بھر یہی سلسلہ رہا ــــ اور شام کو



سبھوں نے اپنی رپورٹ پیش کی۔

اختتامی نشست میں شرکاء نے اپنے تاثرات پیش کئے اور ہدایات ودعا پر پروگرام اختتام کو پہنچا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس پورے پروگرام کی ویڈیو کیسیٹ تیار کرائی گئی ہے تاکہ بعد میں دوسرے مقامات کے لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

اسی طرح اس دوران مختلف ماہر اساتذہ نے نمونے کے طور پر مختلف اسباق بھی پڑھا کر دکھائے۔ اس طرح طلبہ جامعہ کو بھی کسی نہ کسی درجے میں استفادہ کا موقع میسر آیا۔ چند درجات کو جو مضامین پڑھائے گئے انکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

درجہ پنجم ـــ اردو — درجہ پنجم ـــ جغرافیہ — درجہ ہفتم ـــ انگریزی
درجہ ششم ـــ سائنس — درجہ ہشتم ـــ انگریزی

ان نمونے کے اسباق کی بھی ویڈیو کیسیٹ تیار کرائی گئی ہے تاکہ بعد میں ان سے استفادہ کیا جا سکے۔

اس کیمپ میں شرکاء کی تعداد بیالیس تھی۔ جامعۃ الفلاح کے بھی مختلف شعبہ جات سے منتخب نمائندے اس میں شریک تھے۔ شعبۂ اعلیٰ سے مولانا محمد عمران صاحب فلاحی، مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی، مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی مدنی اور ماسٹر محمد شعیب صاحب، شعبۂ ثانوی سے ماسٹر مسعود احمد صاحب (ہیڈ ماسٹر شعبۂ ثانوی)، ماسٹر محمد خالد صاحب، شعبۂ ابتدائی سے حافظ ارشاد احمد صاحب (ہیڈ ماسٹر شعبۂ ابتدائی)، ماسٹر شہنواز احمد صاحب، شعبۂ ابتدائی سے — شعبۂ نسواں سے ہیڈ معلمہ محترمہ کاتنہ صاحبہ نیز ثانوی وابتدائی کی ہیڈ معلمہ۔ انکے علاوہ بعض دوسرے اساتذہ اور معلمات بھی اپنی خالی گھنٹوں اور فارغ اوقات میں برابر شریک ہوتے رہے اور بھرپور استفادہ کیا۔

الحمد للہ مختلف نہجوں سے یہ بہت ہی کامیاب پروگرام رہا۔ ان شاء اللہ مختلف مکاتب ومدارس کے معیار تعلیم وتربیت کو بہتر بنانے میں ایک سنگ میل ثابت ہوگا۔

# حلقہ یاراں

پرچہ کا صوری معیار دن بدن گرتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی جانب توجہ کی ضرورت ہے۔ جہاں تک اس کے ٹائٹل کا سوال ہے اس میں بچکانہ پن ہے۔ اسمیں مزید سنجیدگی پیدا کیجیے۔ جامعۃ الفلاح جیسے سنجیدہ ادارے کی حدود سے شائع ہونے والے پرچہ میں اسی سنجیدگی کا انعکاس ہونا چاہیے۔ ٹائٹل پر اگر اقتباس دیا جائے تو وہ مختصر اور جامع ہونا چاہیے، جو دو یا تین سطروں سے زائد نہ ہو۔ ایک زمانہ میں جب الجمعیت۔ دہلی کا ہفتہ وار ایڈیشن نکلا کرتا تھا تو اس نے یہ طرح ڈالی تھی۔ اس میں اقتباسات کا انتخاب خوب ہوا کرتا تھا۔

کتابت اور پروف دیکھنے کا پورا اہتمام نہیں ہو پاتا ہے۔ یہ بہت بڑا عیب ہے اس کی وجہ سے اچھی سے اچھی تحریر اپنی اثر انگیزی کھو بیٹھتی ہے۔ مثال کے طور جنوری / فروری ۸۳ء کے صفحہ ۵۰ پر عنوان ملاحظہ کریں۔ اسی طرح مارچ کے شمارہ کی فہرست پر بحث و نظر کے نیچے نگاہ ڈالیں: حذف، اولین اسلامی معاشرہ کا امتیاز: ایں چہ بوالعجبیست! متعدد غلطیاں ہوتی ہیں کتابت اور پروف کی۔ اسی طرح کتابت میں تناسب کا خیال نہیں رکھا جاتا ہے۔ مارچ کے شمارہ میں صفحہ ۴۴ تعارف و تبصرہ کے تحت خانہ کے اندر عبارت کو جلی حروف میں لکھنے کی کوئی تک نہیں ہے۔ یہی بات نیچے حاشیہ میں ایک سطر میں درج کی جا سکتی تھی۔

جہاں تک مندرجات کا تعلق ہے براہِ کرم اس کی جانب مکمل توجہ دیں۔ مندرجات معیاری رکھیے، اگر کوئی پرانا یا خود مضمون شائع کریں تو وہ بھی معیاری ہونا چاہیے۔ کوشش کیجیے کہ پرچہ علمی رخ اختیار کرے۔ یہی بات ایک مرتبہ میں نے اپنے ایک بزرگ دوست سے کہی تھی تو انہوں نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا کہ پرچہ کو اتنا سہل ہونا چاہیے کہ عام آدمی بخوبی سمجھ سکے۔ بھائی اگر یہی معیار رکھنا ہے تو یہ



مقصد دیگر بہت سے پرچے پورا کر رہے ہیں اور بدرجۂ احسن کر رہے ہیں۔ ہم ایک معیاری تعلیمی ادارہ سے وابستہ ہیں جس کا کام ہی تعلیم دینا ہے۔ پرچہ بھی تعلیم کا ایک ذریعہ ہے۔ ہم اپنے آئیڈیل کی طرف پرچہ کو لے جائیں گے یا عوامی ذوق و رجحان کو اس کا رہنما بنائیں گے۔ اور پھر ہم یہ کیوں فرض کر لیں کہ ایک عام آدمی ہی اس کا قاری ہے؟ اس کے قارئین کا بڑا حلقہ تو تعلیم یافتہ اور دانشوروں پر مشتمل ہے (پرچہ میں چھپنے والے خطوط اس کا ثبوت ہیں) کیوں نہ ان کا خیال کیا جائے۔

چھپنے والے مضامین کی ترتیب کیا ہو، کیا چیز اشاعت کے قابل ہے اور کیا نہیں، زبان و بیان میں اصلاح کی ضرورت ہے یا نہیں، کون سی چیز پہلے آئے اور کون سی بعد میں، کون سا مواد زیادہ اہم ہے اور کون سا کم، کس کے لئے زیادہ جگہ مطلوب ہے اور کس کے لئے کم، مضامین و مندرجات کے اعتبار سے تنوع کیسا اور کس قدر ہو، ان امور کا تعلق ادارت اور مدیر سے ہے۔ میرا تاثر یہ ہے کہ شعبۂ ادارت ان امور سے مکمل طور سے انصاف نہیں کر پا رہا ہے۔ مذکورہ بالا شماروں میں کسی ابو اللسان لغوی کے مضامین شائع ہوئے ہیں جنہیں شاید طنز اور مزاح کے دائرہ میں رکھا جائے گا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسے صرف ابتذال اور سطحی پن کے ہی زمرہ میں رکھا جا سکتا ہے۔ جن صاحب نے ملا ابن العرب مکی بننے کی کوشش کی ہے یہ ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ وہ اسلوب ان ہی سے شروع ہوا تھا اور ان ہی پر ختم بھی ہو گیا۔ وہ نبھانے کے فن سے خوب واقف تھے، لہٰذا مبتذل بات بھی سلیقہ سے کہہ جاتے تھے۔ معلوم نہیں کیا ادارہ "حیاتِ نو" کو ان مضامین میں زبان و بیان کا کون سا حسن نظر آیا کہ مضامین شائع کیے گئے۔ فروری/مارچ کے شمارہ میں لغوی صاحب کے شائع شدہ مضمون کی زبان، اسلوب اور انداز دیکھیے، بالخصوص صفحہ ۵۲ اور صفحہ ۳ پر جو کچھ تحریر ہے، ایسے ذوق سلیم رکھنے والا کون سا شخص پسند کرے گا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسی سوقیانہ تحریریں "حیاتِ نو" کی زینت بنتی ہیں اور وہ بھی تسلسل کے ساتھ۔ تحریر پڑھ کر لغوی کے "ل" پر زبر لگانا پڑا۔ خدا کے واسطے اس قسم کی عامیانہ

اور واہیات تحریروں سے پرچہ کو پاک رکھیے۔ برسبیل تذکرہ ایک بات اور عرض کر دوں، ادھر تو کچھ کمی ہوگئی ہے، ورنہ ایک زمانے میں آپ کے یہاں "ابو" کی کنیت استعمال کرنے والوں کی تعداد تشویشناک حد تک بڑھ گئی تھی۔ ابویحیی، ابوسلمہ، ابوجاوید وغیرہ وغیرہ۔ "ابوؤں" کی دیکھا دیکھی بیٹوں نے بھی اپنی "ابنیت" کا اعلان کرنا شروع کر دیا تھا۔ "ابن العلم" "ابن عالم" اور ابن عبدالرحمن فلاحی وغیرہ۔ بھائی اگر کسی کو اپنی تحریر پر اعتماد نہیں ہے یا وہ اس کی ذمہ داری قبول نہیں کرنا چاہتا ہے تو کیا ضروری ہے کہ وہ لکھے اور چھپوائے۔ اس طرح کی حرکتوں سے اچھی بھلی تحریروں کا وقار ختم ہو جاتا ہے۔ برائے کرم اس روش سے احتراز کیجیے۔

مضامین کی زبان ضرور چیک کر لیں۔ جذباتی اور مبالغہ آرائی پر مبنی جملوں کی اصلاح ضرور کریں۔ "انتہائی" "بہت ہی" "تمام ہی" "لاکھوں لاکھ" جیسی تعبیروں سے احتراز کیا جائے۔ اسی طرح بار بار دعائیہ کلمات سے تحریر کو بوجھل نہ بنائیے۔

مارچ کے شمارہ میں تبصرہ کے کالم میں، تبصرہ نگار نے مولانا منت اللہ رحمانی کا تاثر نقل کیا ہے (ص ۴۳)، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے بغیر غور کیے ہوئے یہ فقرہ نقل کر دیا ہے "نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی توجہات کا مدرسہ اب تک مرکز بنا ہوا ہے" بظاہر ان معصوم الفاظ میں جو مفہوم پوشیدہ ہے وہ کس ذہنی رخ کا غماز ہے۔ بغیر غور کیے ہوئے نقل کر دینا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے، مجھے توقع تھی کہ تبصرہ نگار سب سے پہلے اس جملے کی خبر لیں گے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ادارہ مضامین چیک کرنے کا تکلف نہیں کرتا ہے۔

خطوط اور جامعہ کی خبروں پر مشتمل حصوں کو مستقل کیجیے اور ان کے صفحات میں اضافہ کیجیے۔ دور دراز علاقوں میں مقیم فلاحیوں کے لئے یہ دونوں چیزیں بہت اہم ہیں۔ خطوط ایڈٹ کر کے شائع کریں، یعنی سلام اور خیر و عافیت کا حصہ نکال کر، اس طرح مزید خطوط کیلئے جگہ نکل آئیگی۔ تنقیدی نوعیت کے وہ خطوط لازماً شائع کریں جن سے پرچہ کے ارتقاء میں مدد ملتی ہو۔ اسی طرح رپورٹیں بھی مرتب کر کے شائع کریں، ترتیب میں اس کا

خاص خیال رکھا جائے کہ قاری کو زیادہ سے زیادہ معلومات مل سکیں۔ رپورٹوں میں "اس کے بعد" کا تکرار وجدان پر گراں گذرتا ہے۔ جن مضامین کے آخر میں حوالوں کی طویل فہرست ہو (جنوری/فروری ص ۵۰ - ۵۷)، ان میں ہر حوالہ نئی سطر سے شروع کرنے کے بجائے، مختصر حوالے ایک ہی سطر میں شائع کرنے سے مزید مواد کیلئے جگہ نکل آئے گی۔

اداریہ زیادہ سے زیادہ تین صفحات پر مشتمل ہو۔ الحمد للہ آپ کے اداریے اچھے ہوتے ہیں، تاہم مزید جامعیت مطلوب ہے۔ کبھی کبھار دوسروں سے بھی اداریے لکھوا کر سحبان مدیر کی روایت کی داغ بیل ڈالیں۔

پرچہ میں شعبہ نسواں کی شمولیت بالکل نہیں ہوتی ہے۔ نسواں کے شعبہ تدریس میں فلاحی و غیر فلاحی ارکان میں صاحب قلم بھی ہوں گی، ان کی قلمی کاوشیں شائع کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ ویسے معیاری بات تو یہ ہے کہ ان کا بھی اپنا ایک پرچہ الگ سے شائع ہو۔

رضوان احمد فلاحی (لندن)
۲ جون ۹۶ء

---

"حیات نو" کا تازہ شمارہ ملا، آپ کا اداریہ اور برادر عبدالمراتب فلاحی کا مضمون پسند آیا، حسب معمول "جامعہ کے لیل و نہار" دلچسپی سے پڑھا، اس کالم سے بہت ہی چھوٹی بڑی سی خبریں مل جاتی ہیں۔ مولانا سبحانی صاحب کو جو صدمہ پہنچا ہے، یقیناً وہ بہت ہی تکلیف دہ ہے، ان کے اخلاق و عمل کے تعلق سے جو معلومات آپ نے فراہم کی ہیں، اس سے مرحومہ کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔

محترمہ انجم آراء فلاحی صاحبہ ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی کا مؤقر مقالہ بعنوان "ترکی میں احیائے اسلام کی کشمکش" بہت وقیع اور معلوماتی ہے، زبان معیاری اور سلیس اور ماخذ زیادہ تر مستند ہیں۔ ایک اچھے ریسرچ اسکالر کی یہی شان بھی ہے۔ غالباً مقالہ نگار کا یہ پہلا مقالہ ہے۔ اور مستقبل کے نشان دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے جماعت مسلمہ کو مستقبل قریب میں ایک نئی بنت الشاطی، مریم جمیلہ ملنے والی ہے۔ اللہ کرے زور قلم زیادہ۔ آپ کے توسط سے بہن انجم آراء کو میری نیک خواہشات پہنچ سکیں تو مہربانی ہوگی۔ والسلام

فاطمہ جلیل فلاحی (ریسرچ اسکالر شعبہ دینیات)
[illegible]